مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی
MAKTABA AL-FAHEEM-MAU

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی شرعی حیثیت

اور

تقلید کی حقیقت

تالیف
شیخ رفعت سالار فیضی

مکتبۃ الفہیم
MAKTABA AL-FAHEEM-MAU
اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت
اور
تقلید کی حقیقت
تالیف
شیخ رفعت سالار فیضی
مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

نام کتاب : اطاعت رسول ﷺ کی شرعی حیثیت اور تقلید کی حقیقت

تالیف : شیخ رفعت سالار فیضی

طابع وناشر : مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

سال اشاعت : اکتوبر ۲۰۱۳ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار ایک سو

صفحات : 116

باہتمام

شفیق الرحمٰن، عزیز الرحمٰن

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road

Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101

Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224

Email :faheembooks@gmail.com

WWW.faheembooks.com

فہرست

بسم الله الرحمن الرحیم

پہلی بات

الحمد لله الذی انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له، واشهد ان محمدا عبده ورسوله، وصلی الله علیه وآله واصحابه وسلم تسلیما کثیرا، اما بعد:

الحمد للہ! ہم مسلمان دین اسلام کو ماننے والے ہیں دین اسلام ایسا آفاقی وعالمگیر دین ہے جس میں قیامت تک کیلئے زندگی کے ہر شعبہ میں کامل ومکمل ترین رشد وہدایت موجود ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (النحل ۸۹)

"اور ہم نے یہ کتاب تجھ پر نازل فرمائی جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور ہدایت ورحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے"۔

اسکی ہر تعلیم میں سادگی اور افادیت کے ہر پہلو پر خاص توجہ دی گئی ہے اس دین کے آنے کے بعد دنیا کی تمام شریعتیں اور ادیان منسوخ کردیئے گئے، لہٰذا اس دین کے علاوہ کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا دنیا وآخرت میں خسران اور نقصان کا باعث اور سبب ہے فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران ۸۵)

"جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا"۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پسندیدہ دین کو اپنے انتہائی امین فرشتہ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ سے نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، اور جو کچھ اللہ نے فرمایا اس کی توضیح وتشریح رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان فیض سے ارشاد فرمائی، اسی کا نام اسلام ہے۔ گویا کہ یہ اسلام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کا نام ہے۔ عقائد، عبادات ومعاملات میں جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہے وہی اسلام ہے اور یہ اسلام رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ اب اس میں کسی کمی یا بیشی کی گنجائش نہیں، اسلام مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حجت اتمام کے لئے فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً﴾ (المائدہ:۳)

"آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا"

یہ قرآن کی آیت ہے جو فرمان الٰہی ہے کسی دوسرے کا نہیں لہٰذا جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہے وہی اسلام ہے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے

ثابت نہیں وہ اسلام نہیں۔ اسی اسلام پر عمل کر کے صحابہ کرامؓ نے سعادت دارین حاصل کی ،اور قیامت تک کے تمام انسانوں کی سعادت وکامرانی اور فلاح وکامیابی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری اور پیروی میں منحصر کردی گئی ہے۔اس میں عوام وخواص کے عمل کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ارشادالٰہی ہے: ﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾ (الاحزاب:۷۱) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کی وہ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

اولین جن حضرات نے اس دین کو قبول کیا وہ ایسے مطیع وفرمانبردار تھے کہ گویا وہ ﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (الحشر۷)
''اور جو کچھ تمہیں رسول (ﷺ) دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ''
کی سچی عملی تصویر تھے۔

اسلام کا عملی نمونہ جو اس خیر القرون میں نظر آیا وہ بعد میں کبھی ہوا نہ ہوگا اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ ان مقدس صحابہ کرامؓ (جنھیں اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا تمغہ اور ایوارڈ عطا کیا تھا) کی جماعت کو حدیث رسول ﷺ کے بارے میں کبھی شک وشبہ نہیں ہوا تھا وہ اپنا ہر فیصلہ بلکہ ہر قول وفعل کتاب وسنت کی روشنی میں ڈھال کر ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ (آل عمران۳۱)
''اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو'' کے معیار اور کسوٹی پر صد فیصد کھرا اترنا چاہتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین عظامؒ کا دور آیا اس مبارک دور میں بھی احادیث

رسول ﷺ کے اہتمام کا خصوصی انتظام کیا گیا تابعین عظامؒ نے صحابہ کرامؓ کے پاس پہونچکر کتاب وسنت سے اپنے سینوں کو منور اور روشن کیا اور اپنی عملی زندگی کو صحابہ کرامؓ کے طرز عمل پر گذر بسر کرنے کیلئے پوری طرح کوشاں تھے لہٰذا اختلاف کے وقت وہ وصیت رسول اللہ ﷺ (علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ) (ابو داؤد کتاب السنة باب لزوم السنة) کو مکمل طور پر نافذ کرتے تھے اس لئے کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی ایک کی رائے وقول کی تقلید وہ دین میں بدعت تصور کرتے تھے اسی لئے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کے مبارک زمانہ میں کوئی فرقہ کسی صحابی یا تابعی سے منسوب وموسوم نہیں ہوا حالانکہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کی تعداد لاکھوں سے زیادہ تھی ان میں بڑے بڑے رتبہ اور فضل وجلالت والے بھی تھے جن کے علم وتفقہ اور تقویٰ کا بھی مقام ممتاز اور بلند تھا جب کسی صحابی اور تابعی نے کوئی فرقہ اور مسلک قائم نہیں کیا تو ہم فرقہ اور مسلک کی بنیاد ڈال کر فرمان الٰہی ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران ۱۰۳)

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب ملکر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو'' (آل عمران ۱۰۳)

کی عملاً خلاف ورزی کرنے والے کون ہوتے ہیں۔؟

مگر انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصلی شکل گم ہورہی ہے وقت کے راہبوں، پیروں فقیروں، صوفیوں، نفس پرست صلحاء، نام نہاد دعوت اسلامی کے دعویداروں، اماموں اور فقیہوں نے قال اللہ وقال الرسول کے مقابلے میں اپنے خودساختہ افکار وخیالات کو پیش کیا، طرح طرح کی بدعات

وخرافات نے اسلام کے صاف وشفاف چہرے کو داغدار بنادیا، نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر میں اکثر مسلمان ان خودساختہ افکار وخیالات پر کتاب وسنت سے زیادہ اعتبار کرتے ہیں اور ان کے اقوال وقیاسات کے خلاف صحیح احادیث تک قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔انہیں یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب خاص کے خلاف قرآن واحادیث کوقبول کرینگے توان پر طعن وتشنیع کی جائیگی، انہیں گمراہ اور خارج از اسلام کہا جائیگا مگر انہیں یہ خوف بالکل نہیں ہوتا کہ اگر انہوں نے کتاب اللہ اور احادیث رسول کو ٹھکرادیا تو سورہ مائدہ کی آیت:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ﴾ (المائدہ ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو نازل کیا ہے آؤ اس کی طرف اور آؤ پیغمبر کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ داداؤں کو چلتے ہوئے پایا، اگر چہ ان کے باپ نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ہم پر صادق آئے گی۔

جو جس امام کا مقلد ہے اسے معصوم عن الخطاء اور امام اعظم ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش میں لگا ہوا ہے دین ہدی (اسلام) کے فروغ اور احیاء سنت رسول اللہ ﷺ کی پرواہ نہیں بلکہ اپنے مخصوص امام کے قول اور رائے کو ہی عین دین بتایا جارہا ہے۔یقیناً ائمہ ومجتہدین دین میں مخلص تھے ان کی رائے کو بعد میں آنے والے کی رائے پر برتری وفوقیت حاصل ہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کی رائے کتاب وسنت اور اجماع صحابہ کے خلاف نہ ہو، ایسی صورت میں رائے کو ترک کرنا ضروری ہے، ائمہ اربعہ کے مدون مسائل، ان کے

بیان کردہ احکام درحقیقت کتاب اللہ اور احادیث رسول سے ہی ماخوذ ہیں اور وہ قیاس اس وقت کرتے ہیں جب انہیں قرآن وحدیث سے بظاہر کوئی دلیل نہیں ملتی، ائمہ اربعہ کے مسائل کو اپنانا درحقیقت اللہ کی شریعت پر ہی عمل کرنا ہے جب تک ان مسائل کے خلاف کتاب اللہ یا حدیث رسول موجود نہ ہو۔ اگر ائمہ اربعہ کے اقوال ومسائل کے خلاف کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی دلیل مل جائے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ترجیح دیتے ہوئے ائمہ کے اقوال ومسائل کو ترک کردینا چاہئے۔ مگر حیرت وافسوس ہے ہم مسلمانوں پر کہ کلمہ تو خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کا پڑھتے ہیں لیکن فرمان رسول ﷺ کی موجودگی میں بات اپنے خودساختہ امام ومقتدیٰ کی مانتے ہیں نیز آقائے کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی احادیث صحیحہ اور سنن مطہرہ کو ٹھکراتے ہوئے بڑی جسارت سے یوں بھی کہدیتے ہیں ”ترا با حدیث چہ کار قولے از ابی حنیفہؒ بیار“ یعنی تجھ کو حدیث سے کیا مطلب تو ابوحنیفہؒ کا قول دلیل میں پیش کر۔ اللہ اکبر! سوچئے ہم تقلیدی بھرم قائم رکھتے ہوئے کہیں رسول اکرم ﷺ کی توہین وگستاخی کا ارتکاب تو نہیں کررہے ہیں بلکہ ایسا کرنے سے ”اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں“ کا معاملہ تو نہیں کررہے ہیں یا اس سے بھی بلندوبالا مرتبہ ومقام ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ (التوبۃ ۳۱)

”ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا“ پر ہم عمل تو نہیں کررہے ہیں۔

حجت شرعیہ قائم ہوجانے (کتاب وسنت سے دلیل مل جانے) کے بعد بھی

اقوال وقیاس سے ہی چپکے رہنے میں شرک کا شک وشبہ ہوتا ہے، لہٰذا جب بھی ائمہ کے اقوال ومسائل کے خلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان مل جائے تو کسی اگر مگر کے بغیر فوراً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کو اپنا لینا چاہئے۔ قرآن واحادیث میں بے شمار جگہوں پر اسی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

قارئین کرام! گمراہ فرقہ قادیانیہ کو ہم اس لئے مرتد اور کافر کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد خاں قادیانی دجال اور کذاب کو مجدد اور نبی مانا ادھر مقلدین نے بھی اپنے مقتدا کیلئے ظاہراً نبی اور رسول کا لفظ تو نہیں کہا لیکن عملاً جو اعزاز بخشا ہے وہ مقام نبوت اور درجہ رسالت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

جبکہ محب رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی امتیازی شان یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ان کے والد گرامی حضرت عمرؓ کی بات پیش کی جاتی تو رسول اکرم ﷺ کی عظمت وناموس کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیتے ((امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ ﷺ))''یعنی کیا میرے باپ کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟''۔کیا مقلدین حضرات کا دل گواہی نہیں دیتا کہ تمام ائمہ ھدی رحمہم اللہ اجمعین مل کر بھی ایک فاروق اعظمؓ کے برابر نہیں ہو سکتے جب قول رسول ﷺ کے مقابلہ میں قول فاروق اعظمؓ ٹھکرایا جا سکتا ہے تو پھر قول امام کیا چیز ہے؟ بقول عامر عثمانی حنفی دیوبندیؒ ''ہمیں خالی الذہن ہوکر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات عالیہ کو مرکز بنانا چاہئے اور دیانتدارانہ غور وفکر کے بعد جو اصول وقواعد وہاں سے دستیاب ہوں انھیں حرف آخر قرار دے کر یہ سمجھ لینا چاہئے یہی اصل کسوٹی ہے جس پر گھس کر کھرے اور کھوٹے کا فیصلہ کیا جا

سکتا ہے اس کسوٹی پر کھوٹا ثابت ہونے والا مال خواہ جنید و شبلی یا عطار و رومی کا ہو وہ بہر حال کھوٹا ہے اور اس کسوٹی پر کھرا ثابت ہونے والا سکہ خواہ خوارج و معتزلہ کے بازار کا ہو وہ بہر حال کھرا ہے یہی ہے اعتصام بالکتاب والسنۃ، یہی ہے وہ ذہن جس کی تربیت قرآن نے یہ کہکر دی کہ جب معاملہ میں نزاع ہو تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ یہی ہے وہ اصول محکم جسے ان لفظوں میں ادا کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی معیار حق ہیں اور کوئی فرد دنیا کے پردے پر نہیں جو شریعت حقہ کے لئے کوئی اور دھرم کانٹے کی حیثیت رکھتا ہو۔ (ماہنامہ تجلی دیوبند دسمبر ۱۹۷۲ بحوالہ زلزلہ)

قارئین کرام سے میری پر خلوص اور مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس کتابچہ کو سکون وسنجیدگی اور صدق دل سے ضرور بالضرور پڑھیں اور پڑھنے کے بعد مرتب کے مسلکی لگاؤ اور نسبت کی چھان بین کرنے اور اسے اپنا مخالف و موافق بنانے کے بجائے اس کاوش کو بلا تعصب اور دلائل و براھین کی روشنی میں دیکھیں اور جو بات اسلام کے مفاد اور قرآن و احادیث کی نصوص کے مطابق نظر آئے اسے تسلیم کرنے میں گروہی اور مسلکی وقار کو آڑے نہ آنے دیں۔

اس کتابچہ میں دانستہ یا نادانستہ کوئی سخت یا دل آزار بات میری زبان قلم سے نکل گئی ہو تو اس کے لئے میں بلا تأمل معذرت چاہتا ہوں، کیونکہ میرا مقصد کسی کے دل کو تکلیف پہونچانا ہرگز نہیں ہے بلکہ صرف حقیقت حال کا تجزیہ بیان کرنا ہے، اگر اس ناچیز کی کوشش کے نتیجے میں دو ایک بندگان خدا کو بھی ''تقلید سے گریز اور اتباع سنت کی شاہراہ'' کا شعور اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوگئی تو اپنے کو بشارت نبوی ﷺ ''خیــر

لك من حمر النعم" (تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے) کا مصداق سمجھوں گا۔

سب سے پہلے اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے جس نے مجھ جیسے کم علم کو اس مجموعہ کو ترتیب دینے کی توفیق بخشا، پھر معلم انسانیت ﷺ کی تعلیم کے مطابق (من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ) کے پیش نظر ان تمام لوگوں کی خدمت میں ہدیہ شکر وسپاس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مجموعہ کی تیاری میں کسی بھی طرح کا تعاون پیش کیا، خصوصاً مدرسہ فیضان الاسلام نعمت نگر محسن پورہ مئو کے تمام ذمہ داران کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے کتابوں کی فراہمی میں مخلصانہ تعاون پیش کیا، میں اس سلسلہ میں عزیزم معاذ احمد سلمہ کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مسودہ کو بغور پڑھنے کے لئے اپنا قیمتی وقت صرف کیا، میں اس ضمن میں خالص کتاب وسنت پر مبنی کتابوں کے ناشر اور عظیم تاجر مکتبہ الفہیم کے ذمہ داران جناب شفیق الرحمٰن وعزیز الرحمٰن صاحبان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے مجھ جیسے کمتر صاحب قلم کی حقیر کوشش کو اپنے اشاعتی کتب کی فہرست میں شامل کر کے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور پرخلوص مشوروں سے قدم قدم پر سہارا دیا، اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور ان کے برادران وپسران کو بھی نیک اور صالح بنائے اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت کی توفیق بخشے۔ آمین

(جزاك الله فی الدارین خیرا)

رفعت سالار فیضی

نبی اکرم ﷺ کا ادب واحترام نہ بجالانا بربادیٔ اعمال کا سبب ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات ۱۔۲)

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو''

مذکورہ آیات کریمہ کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کیلئے اس ادب وتعظیم اور احترام وتکریم کا بیان ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے ۔

پہلا ادب، یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں جب تم آپس میں گفتگو کرو تو تمہاری آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہو۔

دوسرا ادب، یہ ہے کہ جب خود نبی کریم ﷺ سے کلام کرو تو نہایت وقار اور سنجیدگی سے کرو اس طرح اونچی اونچی آواز سے نہ کرو جس طرح آپس میں بے تکلفی سے

ایک دوسرے سے کرتے ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً﴾ (النور ۶۳)

''اللہ تعالیٰ کے نبی (ﷺ) کو بلانے کو ایسا بلاوا نہ کرو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو ہوتا ہے'' یعنی نام لیکر آپ ﷺ کو کوئی شخص نہ پکارے جیسا کہ عام لوگ پکارے جاتے ہیں لہٰذا ''اے محمد (ﷺ)'' نہیں کہا جائیگا بلکہ نبوت ورسالت کے واسطے سے آپ ﷺ پکارے جائیں گے لہٰذا ''اے اللہ کے رسول ﷺ'' اور ''اے اللہ کے نبی ﷺ'' وغیرہ کہا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ آپ ﷺ کی جناب میں کوئی اونچی آواز سے گفتگو کرے چہ جائیکہ تعظیم وتکریم کے بغیر نام لینا چاہے قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خود آپ ﷺ کے اس امتیاز تعظیمی کی شان کا نمونہ ہر جگہ قائم رکھا ہے جس قدر انبیاء اولوالعزم سے تخاطب قرآن میں موجود ہے جگہ جگہ پائیں گے ان کا نام اور علم لیکر انھیں پکارا گیا ہے مثلاً ﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ﴾ (بقرہ آیت ۳۵) ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى﴾ (طٰہٰ ۱۷) ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾ (ص ۲۶) ﴿يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ﴾ (مریم: ۷) ﴿يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾ (مریم ۱۲) ﴿يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ﴾ (آل عمران ۵۵) ﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ (صٰفٰت ۱۰۴) اس طریق تخاطب سے چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بھی ''یا محمد (ﷺ)'' ''یا احمد''

(ﷺ) کہہ کر پکارتا مگر اللہ تعالیٰ کو اس درجہ آپ ﷺ کا احترام کرنا مقصود تھا کہ تمام قرآن میں ایک جگہ بھی آپ ﷺ کو نام لیکر مخاطب نہیں کیا بلکہ جہاں کہیں پکارا ہے یا تو صدائے تعظیم وتکریم سے مثلاً ﴿يَـا أَيُّهَـا الـرَّسُـولُ بَـلِّـغْ مَـا أُنـزِلَ إِلَيْـكَ﴾ (المائدہ:٦٧)﴿يَـاأَيُّهَـا الـنَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ﴾ (التوبۃ ٧٣) یا پھر صداءمحبت سے ﴿يَـاأَيُّهَـا الْـمُـزَّمِّـلُ﴾﴿يَـا أَيُّهَـا الْمُدَّثِّرُ﴾ وكل ما يفعله المحبوب، محبوب (رسول رحمت ص۳۲)

اگر ادب واحترام کے ان تقاضوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو بے ادبی کا احتمال ہے جس سے بے شعوری میں اعمال برباد ہو سکتے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ ﴿لاتقدموا بين يدى الله ورسوله﴾ کے شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے رئیس المحدثین حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں:

(ان عبدالله بن الزبير اخبرهم انه قدم ركب من بنى تميم على النبى ﷺ ،فقال ابوبكر: امر القعقاع بن معبد، وقال عمر،امر الاقرع بن حابس ،فقال ابوبكر:اردت الى .او. الاخلافى فقال عمر ما اردت خلافك ،فتماريا حتى ارتفعت اصواتهما ،فنزل فى ذالك﴿ ياايها الذين آمنوا لاتقدموا بين يدى الله ورسوله ﴾حتى انقضت هذه الآية)

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت

میں بنی تمیم کا وفد آیا تو ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ ہم میں سے کسی کو ہمارا امیر مقرر کر دیجئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ قعقاع ؓ بن معبد کو امیر مقرر کر دیجئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اقرع ؓ بن حابس کو امیر مقرر کر دیجئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے کہ تمہارا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے نبی کریم ﷺ کے پاس ان دونوں (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہما) کی آواز بلند ہوگئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے اتنی پست اور آہستہ آواز میں باتیں کرنے لگے کہ آپ کی بات سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو دوبارہ دریافت کرنا پڑتا (قال ابن الزبیر فما کان عمر یسمع رسول اللہ ﷺ حتی یستفھمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد ثابتؓ بن قیس کئی دنوں تک حضور ﷺ کی مجلس میں نظر نہ آئے اس پر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس کی بابت آپ ﷺ کو آگاہ کروں گا چنانچہ وہ ثابت بن قیسؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے ہیں پوچھا کیا حال ہے؟ جواب دیا برا حال ہے میں تو حضور ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا تھا میرے اعمال برباد ہو گئے اور میں جہنمی ہو گیا۔ یہ شخص پھر حضور ﷺ کے پاس آ کر سارا واقعہ سنایا تو پھر حضور ﷺ کے پاس سے ایک زبردست بشارت لیکر دوبارہ ثابت بن قیس

کے پاس آیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور کہو کہ تم جہنمی نہیں بلکہ جنتی ہو۔ (بخاری مع الفتح کتاب التفسیر باب لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ﷺ، رقم الحدیث ۴۸۴۶)

رسول اکرم ﷺ کی موت کے بعد بھی مسجد نبوی ﷺ میں یا احادیث رسول ﷺ کے درس و تدریس کے وقت آواز بلند کرنا آپ ﷺ کی زندگی میں شور کرنے کے مانند ہے

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی حنفی دیوبندیؒ سورہ حجرات کی ابتدائی آیات کے ضمن میں بطور تنبیہ رقم طراز ہیں ''حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی حضور ﷺ کی آواز سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے''۔ (ترجمہ قرآن محمود الحسن گنگوہی) چنانچہ جب ہم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ اور سلف صالحینؒ مسجد نبوی میں یا احادیث رسول کے درس و تدریس کے وقت انتہائی ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھتے تھے چنانچہ ذیل کے واقعات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں مسجد نبوی ﷺ میں سویا ہوا تھا مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کنکری مار کر متوجہ کیا اور کہا کہ جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ، میں لیکر آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ طائف سے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اگر تم اس شہر کے

ہوتے تو میں بہت مارتا، مسجد نبوی ﷺ میں تم آواز بلند کرتے ہو (بخاری مع الفتح کتاب الصلاۃ باب رفع الصوت فی المساجد رقم الحدیث ٤٧٠) متعدد علمائے کرام مثلاً جعفر بن محمد، مالک بن انس اور اعمش رحمہم اللہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ لوگ بغیر وضو حدیث رسول ﷺ بیان کرنا مکروہ اور باوضو بیان کرنا مستحب سمجھتے تھے۔

اسحاق رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اعمشؒ کو دیکھا کہ جب وہ حدیث رسول ﷺ بیان کرنے کا ارادہ فرماتے اور اگر وہ بے وضو ہوتے تو تیمّم کرتے۔

ابو سلمہ خزاعیؒ بیان کرتے ہیں مالک بن انسؒ جب حدیث رسول ﷺ بیان کرنے کیلئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے اور عمدہ لباس اور ٹوپی زیب تن فرماتے اور ڈاڑھی میں کنگھا کرتے جب اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا میں اس کے ذریعہ حدیث رسول ﷺ کی توقیر کرتا ہوں۔

ابن الزناد لکھتے ہیں سعید ابن میتبؒ جب بیماری کی حالت میں حدیث بیان کرنا چاہتے تو فرماتے مجھے بٹھاؤ اسلئے کہ میرے لئے بہت ہی ناپسندیدہ بات ہے کہ میں حدیث رسول ﷺ لیٹ کر بیان کروں۔

مالک ابن انسؒ ابو حازم کے پاس سے گزرے دراں حالیکہ یہ حدیث کا درس دے رہے تھے امام مالکؒ (حدیث سنے بغیر) یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے میرے لئے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے اور میں کھڑے ہو کر حدیث رسول ﷺ کا درس لینا پسند نہیں کرتا ہوں۔ محمد ابن سیرینؒ دوران گفتگو ہنستے رہتے لیکن جب حدیث رسول ﷺ آجاتی تو

عاجزی کا اظہار فرماتے۔

احمد ابن سلیمان القطانؒ کہتے ہیں عبدالرحمٰن بن مہدیؒ جب حدیث بیان کرتے تو ان کی مجلس میں نہ گفتگو کی جاسکتی تھی نہ ہی قلم تراشا جاسکتا تھا اور نہ کوئی شخص مسکرا سکتا تھا اگر کسی شخص کو گفتگو کرتے یا قلم تراشتے ہوئے دیکھ لیتے تو عبدالرحمٰن بن مہدیؒ چیخ کر جوتا پہنتے اور گھر میں واپس چلے جاتے اور ابن نمیرؒ کا بھی یہی طرز عمل تھا، اور یہ اس معاملے میں بیحد متشدد تھے جب کسی کو امر منکر کرتے یا قلم تراشتے ہوئے دیکھتے تو چیختے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا۔ اور وکیعؒ اپنی مجلس میں اسطرح رہتے گویا کہ نماز میں ہیں اور کوئی بھی امر منکر دیکھ کر جوتا پہنکر گھر میں واپس چلے جاتے حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں، ہم لوگ ایوبؒ کی مجلس میں تھے ہم لوگوں نے شور سنا تو ایوبؒ نے کہا یہ شور کیسا ہے؟ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ حدیث رسول ﷺ بیان کرتے وقت شور کرنا آپ ﷺ کی زندگی میں شور کرنے کے مانند ہے۔؟

(حقوق النبی ﷺ بین الاجلال والاخلال ص۷۹، ۷۸)

سلف صالحینؒ کے نزدیک ''لا تقدموا'' کی تفسیر:

حضرت امام بخاریؒ ''**لا تقدموا**'' کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ کا قول نقل کرتے ہیں (**لا تقدموا لا تفتاتوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بشئی حتی یقضی اللہ علی لسانہ**) (بخاری کتاب التفسیر سورہ الحجرات قبل لا ترفعوا اصواتکم) علی ابن طلحہ ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں: (**لا تقدموا لا تقولوا**

خلاف الکتاب والسنۃ) ضحاکؒ فرماتے ہیں: (لا تقضوا امر دون اللہ و رسولہ حتی شرائع دینکم) سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: (لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ لابقولٍ و لا بفعلٍ)) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۳۷) سلف صالحین کے مذکورہ اقوال کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ " لا تقدموا " کا مطلب وتفسیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قول اور فعل پر کسی دوسرے امتی کے قول وفعل کو آگے بڑھانے کی ممانعت ہے، یہ حکم بالکل واضح ہے اور تمام مفسرین وشارحین کے نزدیک بالاتفاق آیت کا یہی مفہوم ہے کہ قال اللہ وقال الرسول کی صدا پر کسی دوسرے شخص کی آواز کو فوقیت وترجیح نہیں دی جائیگی، صد افسوس کہ مقلدین ائمہ اپنے اپنے امام کے اقوال و آراء کو قال اللہ وقال الرسول پر ترجیح دیتے وقت اس آیت کا نہ پاس ولحاظ کرتے ہیں اور نہ ہی بربادیٔ اعمال کے متعلق ذرہ برابر خوف محسوس کرتے ہیں۔

دین اور شریعت میں رائے سے فتوی دینا خواہشات نفس کی پیروی ہے

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص:۵۰)

"پھر اگر یہ تیری نہ مانیں تو تو یقین کرلے کہ یہ صرف اپنی خواہش کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر بہکا ہوا کون ہے؟ جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو بغیر اللہ تعالیٰ

کی رہنمائی کے، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اس امر کی تقسیم صرف دو چیزوں کی طرف کی ہے تیسری کوئی چیز نہیں ہے یا تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی بات ماننی اور وحی الٰہی کی پیروی، یا اتباع ہویٰ، یعنی اپنی خواہش کی پیروی، پس جو کچھ قرآن وحدیث میں نہ ہو وہ خواہش ہے دوسری آیت میں ہے:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص:۲۶)

اے داوٗد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔

پس اس آیت میں بھی لوگوں کے درمیان احکام جاری کرنے کے لئے دو ہی طریقے بیان فرمائے ہیں یا تو حق، یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمایا یا ناحق، اپنے دل سے قرآن واحادیث کے خلاف، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ

لَا يَعْلَمُونَ ، إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ (الجاثیۃ ۱۹،۱۸)

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہری) راہ پر قائم کر دیا سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔

یہاں پر بھی دو ہی صورتیں بیان فرمایا ایک یہ کہ شریعت الٰہی پر عمل کرنا اور اسی وحی الٰہی کا حکم دینا اور دوسرے یہ کہ بے علموں کی خواہشات کی تابعداری کرنا پس پہلی بات کا حکم دیا دوسری بات سے منع فرمایا ارشاد الٰہی:

﴿اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (الاعراف:۳)

لوگو! جو کچھ تمہاری طرف رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اسکی پیروی کرو اور اس کے علاوہ دوسرے اولیاء کے پیچھے مت لگو مگر افسوس! تم بہت کم نصیحت حاصل کر رہے ہو۔

اس آیت میں بھی اپنے اتارے ہوئے احکام کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور صاف بتلا دیا کہ اس کے سوا دوسری چیز کی پیروی کرنا دوسرے اولیاء کے پیچھے لگ جانا ہے ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ ﴾ (المائدہ:۴۹)

آپ (ﷺ) ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا

کیجئے۔ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ پیروی صرف وحی کی ہوسکتی ہے،فیصلہ صرف وحی کے ذریعہ ہوسکتا ہے وحی کی موجودگی میں اہواء و خواہشات دوسرے لفظوں میں آراء و قیاسات کی تابعداری نہیں ہوسکتی، پھر اس آیت کریمہ کے مخاطب جن کے ہر قول وفعل کے متعلق تمام مسلمانوں سے فرمایا ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔

بناء بریں مسلمانوں کو قیاسات وآراء چھوڑ کر کتاب وسنت کو مشعل راہ بنانا چاہئے کیونکہ ان دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور ان دونوں کے علاوہ فتویٰ دینا رائے اور قیاس پر مبنی ہے جو بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ، مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النحل:۱۱۶،۱۱۷)

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ مت کہدیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ کر سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں انہیں بہت معمولی فائدہ ملتا ہے اور انکے لئے دردناک عذاب ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا

﴿قُلْ آللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُونَ﴾ (یونس:۵۹)

آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دے لیا آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء کرتے ہو؟۔

اس آیت کریمہ سے معلوم وثابت ہوا کہ وہ بات جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہ دیا ہو اور اگر اس کو شریعت کا درجہ دے کر عمل کیا جائے تو یہ افتراء پردازی ہے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے انحراف کرنے والا گمراہ اور کافر ہے

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾

(احزاب:۳۶)

اور دیکھو کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نا فرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اگر کوئی شخص شرعی معاملات میں قرآن وسنت سے ہٹ کر اپنے اور اپنے امام

کے اختیار سے کوئی حکم اور فیصلہ صادر اور نافذ کرتا ہے تو اس کا یہ حکم اور فیصلہ کھلی ہوئی گمراہی اور ضلالت پر مبنی ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی ناپاک جسارت ہے جو کسی بھی صاحب ایمان کو لائق و مناسب نہیں بلکہ کفار کا طریقہ وروش ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران:۳۲)

کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

اس آیت کے ضمن میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعویدار ہوں۔ اس آیت میں حجیت حدیث کے منکرین اور اتباع رسول سے گریز کرنے والوں دونوں کیلئے سخت وعید ہے کیونکہ دونوں ہی اپنے اپنے انداز سے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں جسے یہاں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے'' حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''﴿فان الله لا يحب الكافرين﴾ دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے طریقہ کی مخالفت کرنا کفر ہے اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کو مکمل

طور پر تسلیم کیا جائے آپ ﷺ کی حدیث کی تصدیق کی جائے کسی دوسرے امتی کے قیاس و آراء کو معقول سمجھ کر حدیث نبوی ﷺ کے مقابلہ میں پیش نہ کیا جائے اسے شک و شبہ کی نگاہ سے نہ دیکھا جائے لوگوں کے اقوال و افعال اور خود ساختہ فتاویٰ کو اس پر مقدم نہ کیا جائے رسول ﷺ کو سچا حاکم تسلیم کیا جائے رسالت اور امامت صرف رسول کیلئے خاص کیا جائے فرمان ربانی ہے:

﴿فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِیْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیْماً﴾ (النساء۶۵)

اے محمد ﷺ تمہارے رب کی قسم جب تک لوگ اختلافی امور میں تمہیں جج اور فیصل نہ تسلیم کرلیں مومن نہیں ہو سکتے پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دل میں تنگی نہ محسوس کریں اور مکمل طور پر اسے تسلیم کرلیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں ''اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ و برتر اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتا ہے کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آسکتا جب تک کہ تمام امور میں آخر الزمان افضل تر رسول کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپ ﷺ کے ہر ہر حکم، ہر ہر فیصلے، ہر ہر سنت اور ہر ہر حدیث کو قابل قبول حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے جسم اور دل کو یکسر تابع رسول نہ بنادے الغرض ظاہر و باطن چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول ﷺ کو اصل اصول سمجھے وہی مومن ہے پس فرمان ہے تیرے احکام کو کشادہ دلی سے تسلیم کرلیا کریں اپنے دل میں تنگی ترشی نہ لائیں تسلیم کلی کل احادیث کے ساتھ رہے نہ تو

احادیث کو ماننے سے روکیں نہ انھیں ہٹانے کے اسباب ڈھونڈھیں نہ انکے مرتبہ کی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ انکے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول ﷺ ہے **(والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ)** قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا پیرو نہ بنالے جسے میں لایا ہوں (مشکوٰۃ اور الاربعین میں امام نوویؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) بخاری شریف میں **(عن عروہ قال خاصم الزبیر رجلاً من الانصار فی شریج من الحرۃ فقال النبی ﷺ اسق یا زبیر ثم ارسل الماء الیٰ جارک فقال الانصاری یا رسول ﷺ ان کان ابن عمتک فتلون وجھہ ، ثم قال !اسق یا زبیر ثم احبس الماء الیٰ جارک ، و استوعی النبی ﷺ للزبیر حقہ فی صریح الحکم حین احفظہ الانصاری و کان اشار علیھا بامر لھما فیہ سعۃ قال الزبیر ! فما احسب ھذہ الآیات الا نزلت فی ذالک فلا و ربک لا یومنون)**

(بخاری مع الفتح کتاب التفسیر باب فلا و ربك رقم الحدیث ٤٥٨٥)

حضرت زبیرؓ کا کسی انصاری شخص سے نالیوں سے پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا زبیر پہلے تم پانی لے لو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو اس پر انصاری نے کہا ہاں یا رسول اللہ! یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر

آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر پہلے تم پانی لے لو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک کہ پانی باغ کی دیواروں تک پہونچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو نبی اکرم ﷺ نے ایسی صورت نکالی جسمیں حضرت زبیرؓ کو پورا حق دلوایا حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے ﴿فلا و ربك لا یومنون. ...الخ﴾ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے" خلاصہ یہ کہ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اتباع واستدلال اور شریعت کی اساس وقیام کے باب میں قرآن وسنت کے درمیان فرق نہ کریں یہی دائیں بائیں نہ ہونے کی ضمانت ہے اور اسی سے مسلمان گمراہی سے بچ سکتا ہے جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے:(ترکت فیکم امرین لن تضلوا ان تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنة نبیه) (موطا للامام مالكؒ النھی عن القول فی القدر ص ٣٦٣)

اس حدیث کی کسی شاعر نے ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے

امت مرحوم کو بخشے گئے ہیں دو امور ایک قرآں دوسرا ہے گوہرا فشاں رسول
اس کے حامی تا ابد گمراہ ہو سکتے نہیں لن تضلوا ما تمسکتم ہے فرمان رسول

اعمال اگر اطاعت رسول سے خالی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں

کوئی بھی عمل جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی مقصود ہو دو شرطوں کے بغیر قابل قبول نہیں۔

پہلی شرط: عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں جیسا کہ فرمان باری ہے:﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینۃ ۵) انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے دین کو خالص رکھیں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ((انما الا عمال بالنیات وانما لکل امری مانوی)) یقیناً اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور یقیناً ہر شخص کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی۔

(بخاری مع الفتح کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث ۱)

دوسری شرط: عمل میں رسول اکرم ﷺ کا اتباع اور اطاعت لازمی اور ضروری ہے اگر آپ ﷺ کا اتباع اور اطاعت سے ہٹ کر کوئی بھی عمل کیا جائے گا وہ عنداللہ نا قابل قبول ہے ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو حدیث نبوی ﷺ میں مذکور ہے:

(عن انس رضی اللہ عنہ قال جاء ثلاثة رهط الیٰ بیوت ازواج النبی ﷺ یسئلون عن عبادة النبی ﷺ فلما اخبروا کانهم تقالوها وقالوا این نحن من النبی ﷺ قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر قال احدهم: اما انا

فاصلی اللیل ابداً وقال الآخر: وانا اصوم الدھر ولا افطر و قال الآخر: وانا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا فجاء رسول اللہ ﷺ الیھم فقال انتم الذین قلتم کذاو کذا اماو اللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ ولکنی اصوم وافطرو اصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی))

(بخاری مع الفتح کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح رقم الحدیث ۵۰۶۳)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ تین شخص رسول اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی خدمت میں تشریف لائے ان سے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھا جب ان کو (اس کی تفصیل) بتلائی گئی تو گویا انھوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا اور نبی ﷺ کا کیا مقابلہ؟ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے گئے ہیں (اس لئے ہمیں تو آپ ﷺ سے زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کبھی روزے کا ناغہ نہیں کرونگا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا (رسول اکرم ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا خبردار اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ خوف دل میں رکھنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں (لہٰذا یہ سارے کام ہی میری سنت ہیں) اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔

مذکورہ حدیث میں صحابۂ کرامؓ نے جن باتوں پر عمل کرنے کیلئے عہد کیا تھا وہ باتیں بھی عبادت ہی تھیں لیکن اتباع سنت اور اطاعت رسول کے موافق و تابع نہیں تھیں اس لئے عدم اتباع سے آپ ﷺ ناخوش ہوئے اور آپ ﷺ نے چاہا کہ صد فیصد میرا اتباع ہو اور ہو بہو میری سنت کے مطابق عمل کیا جائے۔

قارئین کرام! غور وفکر کرنے کا مقام ہے جب اتباع سنت اور اطاعت رسول سے عدم موافقت اور انحراف کی قطعاً اجازت نہیں تو سنت نبوی و حدیث رسول ﷺ کو بالائے طاق رکھ کر دوسروں کے خودساختہ طریقوں پر عمل کرنے کی اجازت کس طرح ہوسکتی ہے یا حدیث کو ترک کر کے امتیوں کے اقوال وافعال کی تقلید کرنے سے اعمال کیسے مقبول ہوسکتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی ہے:

((من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد))

(بخاری مع الفتح کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود رقم الحدیث ۲۶۹۷)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ریاض الصالحین میں اس حدیث کا ترجمہ و تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "اس حدیث میں ایک نہایت اہم ضابطہ اور قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس حدیث کو اور اس میں بیان کردہ اصول اور ضوابط کو کوئی اہمیت نہیں دی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سنت کی خلاف ورزی (بدعت) عام ہے بلکہ اصل دین ہی بدعات کو سمجھ لیا گیا ہے اور نہایت شد و مد سے ان پر عمل کیا اور کرایا جارہا ہے اس کی وجہ ایک تو جہالت اور دین سے بے خبری ہے اور دوسری وجہ اس ضابطہ کا عدم فہم

ہے حالانکہ یہ ضابطہ نہایت اہم ہے جو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے اوہ وہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کو نیکی اور ذریعہ تقرب سمجھ کر کیا جائے اس پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو یا نصوص شریعت کی اس تعبیر سے مختلف ہو جو صحابۂ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے کی جو اسلام کا بہترین دور ہے اور خیر القرون کے تعامل کی تائید وموافقت سے بھی وہ محروم ہو ایسے تمام کاموں کا اجر وثواب رائیگاں اور برباد کر دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق ہوگا﴿وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاء مَّنثُوراً﴾(الفرقان ۲۳)

اور انھوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے انکی طرف بڑھکر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔

یہ دانش برہانی بھی غلط، وہ بینش روحانی بھی غلط
یہ فلسفۂ رومی بھی غلط، وہ حکمت یونانی بھی غلط
صوفی کی ریاضت بھی دھوکا، واعظ کی ہمہ دانی بھی غلط
جب تک نہ دلیل راہ بنے یہ سنت وقرآں اے لوگو!

تیری راہ معین سے نہ آگے بڑھ سکے رہرو:

(عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ ﷺ کیف انک نبی؟ قال ماعلمت حتی علمت ذالک اتانی ملکان وانا ببعض بطحاء مکة فقال احدهما لصاحبه اهوهو؟ قال نعم، قال زنه برجل فوزنت برجل فرجحته قال زنه بعشرة فوزنتهم قال زنه بمأة فوزنني بمأة فرجحتهم ثم قال زنه

بالف فوزنتی بالف فقال احدهما للآخر لو وزنته بامته لرجحها)

(رواہ البزار مجمع الزوائد تحقیق عبداللہ الدرویش الجزء الثامن ۱۳۹۳۱)

حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے کس طرح جان لیا کہ آپ نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک مجھے آگاہ نہیں کیا گیا تب تک مجھے علم نہیں تھا میں بطحاء مکہ کی ایک جانب تھا میرے پاس دو فرشتے آئے ان دونوں فرشتوں میں سے ایک نے اپنے دوست سے کہا کیا وہ یہی ہیں؟ کہا! ہاں وہی ہیں پھر اسنے اپنے دوست سے کہا اس کی امت کے ایک فرد کے ساتھ اس کو تولو، پھر میں اس کے ساتھ تولا گیا اور میں اس پر غالب آیا، پھر اس نے اپنے دوست سے کہا اس کو دس مردوں کے ساتھ تولو، پھر میں اس کے ساتھ تولا گیا اور ان پر غالب آیا، پھر اس نے اپنے دوست سے کہا اس کو سو مردوں کے ساتھ تولو، پھر میں اس کے ساتھ تولا گیا اور ان پر غالب آیا، پھر اسنے کہا اسکو ہزار مردوں کے ساتھ تولو، پھر میں ان کے ساتھ تولا گیا اور میں ان پر غالب آیا، پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا اگر تو اس محمد (ﷺ) کو اسکی ساری امت کے ساتھ تولے تو یقیناً یہ اپنی ساری امت پر غالب آئیگا۔

حدیث مذکور میں نبیؐ کریم ﷺ کو فرشتوں نے بحکم الٰہی تولا تو اس کا مقصود یہ ہے کہ نبیؐ اکرم ﷺ کا مرتبہ اور درجہ امت کو بتلا دیا جائے کہ نہ صرف فرداً فرداً ہی کوئی ان کے مقابلہ کا نہیں بلکہ ساری امت آپ ﷺ کے مقابلے میں جسمانی اور روحانی طور پر بے وزن اور بے حیثیت ہے نتیجہ یہ نکلا کہ نبیؐ اکرم ﷺ کے قول و فعل کے مقابلہ میں

امت میں سے تمام لوگوں کا قول وفعل بے حیثیت اور بے وزن ہے اور پائے استحقار سے ٹھکرادینے کے قابل ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جو شخص یہ تو تسلیم کرتا ہے نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کا کوئی امتی (خواہ امام اعظم، حکیم الامت، محدث کبیر، شیخ التفسیر ہی ہو) نہیں ہے لیکن نبی اکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں علماء، فقہاء اور ائمہ کا قول لے لیتا ہے اور حدیث کو ٹھکرا دیتا ہے تو اس نے عملاً نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ سے امتی کا مرتبہ بڑھا دیا گرچہ قولاً اس نے نبی اکرم ﷺ کو امتی سے وزنی سمجھا مگر اس کے عمل نے زبانی دعویٰ پر پانی پھیر دیا۔

یاد رکھیں جو شخص سید الانبیاء اور امام الانبیاء کے قول وفعل کے مقابلہ میں کسی امتی کے قول وفعل اور رائے اور قیاس کو دین اور شریعت میں دانستہ عمل میں لاتا ہے تو وہ نہ صرف نبی اکرم ﷺ کا نافرمان اور بے ادب ہے بلکہ اپنے عمل سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے متوازی امتی کی رسالت کھڑی کرتا ہے۔

اطاعت رسول ﷺ سے انحراف کرنے والوں کا محشر میں واویلا:

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلاً ، يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَاناً خَلِيلاً ، لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولاً﴾ (الفرقان۲۹،۲۸،۲۷)

اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش میں نے رسول کریم (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی ہائے افسوس کاش کہ فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اسنے تو مجھے میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کو دغا دینے والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں حشر کے دن اطاعت رسول اور اتباع سنت سے انحراف کرنے والوں کے واویلا کا ذکر ہے کہ اس دن یہ لوگ بہت پچھتائیں گے اور اطاعت رسول سے انحراف کرنے پر نادم اور شرمندہ ہوں گے اور مارے افسوس کے اپنا ہاتھ کاٹتے ہوے کہیں گے اے کاش! میں نے دنیا میں رسول ﷺ کی راہ اختیار کی ہوتی اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی سنت اور حدیث کے مطابق عمل کیا ہوتا ہائے رے! مجھے رسول ﷺ کا اتباع اور اطاعت سے ہٹ کر دوسرے لوگوں کی راہ اختیار کرنے کی وجہ سے آج اللہ نے مجھے پکڑ لیا، رسول اکرم ﷺ کے طریقہ سے ہٹ کر امتیوں کا طریقہ اختیار کا الزام ثابت کر کے فرد جرم لگا دیا ہے بیشک میں مجرم ہوں اور میرا جرم یہ ہے کہ میں نے راہ رسول ﷺ چھوڑ کر علماء اور فقہاء کی راہیں اختیار کی تھیں جب کہ اللہ نے فرمایا تھا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (النساء ۶۴)

یعنی ہم نے رسول کو اس لئے بھیجا تھا کہ اللہ کی اجازت سے ان کی اطاعت کی جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے رسول ﷺ کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ وہ قرآن پر عمل کر کے لوگوں کے لئے صراط مستقیم متعین کر دیں گے اور بیشک حضور ﷺ نے اس راہ کو

متعین بھی کردیا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں:

(خط لنا رسول اللہ ﷺ خطًا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطًا عن یمینه وعن شماله وقال ھذه سبل علیٰ کل سبیلٍ منھا شیطان یدعوا الیه و قرأ ﴿ان ھذا صراطی مستقیماً فا تبعوه﴾)

(مسند احمد ص ۴۳۵ ج ۱، سنن داری ص ۷۸ ج ۱)

عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے (سمجھانے کے) لئے ایک (سیدھا) خط کھینچا پھر فرمایا یہ اللہ کی راہ ہے (یعنی اللہ کے پاس پہونچانے والی ہے) پھر آپ ﷺ نے اس (سیدھے) خط کے دائیں اور بائیں چند (ترچھے) خط کھینچے، اور فرمایا: یہ راہیں ہیں ان میں سے ہر راہ پر شیطان ہے وہ پکارتا ہے اس راہ کی طرف پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ﴿و ان ھذا صراطی مستقیمًافاتبعوه﴾ اور تحقیق یہ میری سیدھی راہ ہے پس اسکی پیروی کرو۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صراط مستقیم صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ نبی ﷺ کی سنت اور حدیث ہے جس راہ پر آپ ﷺ چلے وہی بہشت کی راہ ہے اور سوائے اس راہ کے کوئی راہ نجات نہیں ہے کسی امتی کا ذاتی قول وفعل دین میں حجت نہیں ہے جو لوگ قرآن کریم اور طریقہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چل رہے ہیں وہ صراط مستقیم سے الگ راہ پر چل رہے ہیں اور جو لوگ امام الانبیاء سے ناطہ توڑ کر دوسرے اماموں کی طرف اپنے کو منسوب کئے ہوئے ہیں وہ بروز قیامت کہیں گے ہائے میری کمبختی

میں نے راہ مستقیم نہ پکڑی "ما انا علیہ واصحابی" کی کہکشاں سے آنکھ بند کر کے میں نے بڑا ظلم کیا ہے اس ظلم کی میں سزا بھگت رہا ہوں آج میرا نہ کوئی سفارشی ہے نہ کوئی وکیل، نہ دوست ہے نہ ساتھی، نہ یار ہے نہ مددگار، نہ ضامن ہے نہ کارساز، نہ بچانے والا ہے نہ چھڑانے والا، اور نہ ہی آج بدلہ ہے نہ رشوت، آہ میری کمبختی اور بدبختی! جن کی راہیں میں نے اختیار کیں جن کے کہنے پر میں نے عمل کیا جن کے طریقے پر آنکھیں بند کر کے پیچھے پیچھے چلا اور انکے اشارہ ابرو پر فدا ہوتا رہا میرے تن من دھن جن کی خدمت کے لئے وقف تھے اور جنکی زبان پر سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھتا رہا اٹھتے بیٹھتے اور مصیبت کے وقت جن کو پکارتا رہا اور خواب و بیداری میں جس حکیم الامت کا کلمہ پڑھتا رہا دل کے آئینہ خانہ میں جنکی تصویر ہر وقت آویزاں رہتی تھی کیا اندھیر ہے کہ آج ان میں سے کوئی نظر نہیں آتا کدھر گئے میرے پیر، فقیر، مرشد، امام، ہادی، صوفی، درویش، قلندر، مجاور، گدی نشیں اولیاء اپنی اپنی اطاعت کی افیون میں سلسبیل کا زہر گھول کر مجھے پلا کے اور اپنی خودساختہ راہوں پر چلا کے کہاں چھپ گئے ﴿یٰویلتیٰ لیتنی لم اتخذ فلاناً خلیلًا﴾ اے کاش جانتا نہ تیری رہگذر کو میں۔

اطاعت رسول ﷺ سے انحراف دخول جہنم کا سبب ہے:

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (النساء:۱۴)

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈالدیگا جس میں وہ ہمیشہ رہیگا ایسوں ہی کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء ۱۱۵)

جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے وہ پہونچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی دین اسلام سے خروج ہے جس پر جہنم کی شدید وعید سنائی گئی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ، وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا، رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا﴾ (الاحزاب ۶۸،۶۷،۶۶)

اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (حسرت وافسوس سے) کہیں گے کاش! ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے اور کہیں گے اے ہمارے رب!

ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا پر دگار تو انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں: ''یعنی ہم نے تیرے پیغمبروں اور داعیان دین کے بجائے اپنے بڑوں اور بزرگوں کی پیروی کی لیکن آج ہمیں معلوم ہوا کہ انہوں نے ہمیں تیرے پیغمبروں سے دور رکھ کر راہ راست سے بھٹکا رکھا، آباء پرستی اور تقلید اکابر آج بھی لوگوں کی گمراہی کا سبب ہے کاش مسلمان ان آیات الٰہی میں غور فرماتے، ان پگڈنڈیوں سے نکلیں اور قرآن واحادیث کی صراط مستقیم اختیار کرلیں کہ نجات صرف اور صرف اللہ اور رسول کی اطاعت وپیروی میں ہے نہ کہ مشائخ اور اکابرین کی تقلید یا آباء واجداد کے فرسودہ طریقوں کو اختیار کرنے میں ہے''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثانی حنفی دیوبندیؒ اس آیت کے ضمن مین رقم طراز ہیں:

''اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا''۔

اتباع سنت اور اطاعت رسول ﷺ دخول جنت کا سبب ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (الفتح ۱۷)

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرے اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کریگا جس کے (درختوں) تلے نہریں جاری ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (النساء۱۳)

اور جواللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریگا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائیگا جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(کل امتی یدخلون الجنة الا من ابیٰ قالوا یا رسول اللہ ومن یابیٰ؟ قال! من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابیٰ)

(بخاری مع الفتح کتاب الاعتصام بالسنة باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث ۷۲۸۰)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر وہ جس نے انکار کیا ،صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کون ہے جو انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(جاءت ملائکة الی النبی ﷺ وھو نائم فقال بعضھم:انه نائم ، و قال بعضھم ان العین نائمة والقلب یقظان ، فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلا ،قال! فاضربوا له مثلا،فقال بعضھم : انه نائم ،و قال بعضھم ان العین

نائمة والقلب یقظان، فقالوا مثله کمثل رجل بنی دارا وجعل فیها ما دبة و بعث داعیة، فمن اجاب الداعی دخل الدار و اکل من الما دبة ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من الما دبة فقالوا اولوها له یفقهها ،فقال بعضهم ، انه نائم ، و قال بعضهم ان العین نائمة و القلب یقظان ، فقالوا : فالدارالجنة والداعی محمدا ﷺ فمن اطاع محمدًا ﷺ فقد اطاع اللہ و من عصی محمدًا ﷺ فقد عصیٰ اللہ، و محمد فرق بین الناس)

(بخاری مع الفتح کتاب الاعتصام والسنۃ باب الاقتداء بسنن رسول ﷺ رقم الحدیث ۷۲۸۱)

نبی ﷺ کے پاس فرشتے آئے اور آپ ﷺ سو رہے تھے ان میں سے کسی نے کہا، آپ ﷺ سوئے ہیں اور کسی نے کہا آنکھ سوئی ہے مگر دل بیدار ہے پھر انھوں نے کہا تمہارے اس ساتھی پر ایک مثال منطبق (فٹ) ہوتی ہے اس کے لئے مثال بیان کرو ان لوگوں نے کہا آپ ﷺ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا پھر اس میں دسترخوان چن دیا اور ایک بلانے والے کو بھیجا جس نے اس کی دعوت قبول کر لی وہ گھر میں آیا اور اس نے دسترخوان سے کھایا، اور جس نے اس کی دعوت قبول نہ کی وہ گھر میں آیا اور نہ ہی دسترخوان سے کھایا فرشتوں نے کہا اس کی توضیح کرو تا کہ اسے سمجھ سکیں ان میں سے کسی نے کہا آنکھ سوتی ہے دل بیدار ہے (یہ تو واضح چیز ہے) پھر انہوں نے کہا دیکھو! گھر تو جنت ہے اور داعی محمد ﷺ ہیں اور جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی

اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور محمد ﷺ کے ذریعہ مومنوں اور کافروں کے درمیان فرق ہو جائیگا۔

مذکورہ آیات و احادیث سے بخوبی واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ دخول جنت کا سبب اور ہدایت و نجات کا انحصار و دار و مدار صرف اور صرف اتباع سنت اور اطاعت رسول ﷺ پر موقوف ہے، مگر افسوس کہ بعض دیو بندی اور حنفی بزرگ بھی انتہائی ناپاک جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ذات کو بھی نبوت اور رسالت کے برابر ٹھہراتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

(سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔

(تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۱۷)

حالاں کہ یہ حیثیت صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو حاصل ہے اس طرح کی بلکہ اس سے ادنیٰ کی بھی جرأت خلفاء راشدین نے بھی نہیں کی، اپنی زبان سے اس قسم کی بات نکالنا تو درکنار سوچی بھی نہیں ہوگی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو امام الانبیاء ﷺ کی اطاعت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور انکی مدد کرنے کے متعلق عہد و میثاق لیا ہے جیسا کہ قرآن ناطق ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ

وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ، فَمَن تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

(آل عمران:۸۱،۸۲)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمھیں کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہارے پاس کی چیز کو سچ بتائے تو تمہارے لئے اس پر ایمان لانا اوراس کی مدد کرنا ضروری ہے فرمایا کہ تم اس کے اقراری ہو اوراس پر میرا ذمہ لے رہے ہو، سب نے کہا ہمیں اقرار ہے، فرمایا تو اب گواہ رہو اور خود میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پس اس کے بعد بھی جو پلٹ جائیں وہ یقیناً نافرمان ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت علی ابن ابی طالب اورعبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا ہے کہ اگراس کی زندگی میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو بھیجے تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی امداد کرے اوراپنی امت کو بھی یہی تلقین کردے کہ وہ بھی آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تابعداری میں لگ جائے۔ طاؤس، حسن بصری اورقتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں یہ تفسیر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفسیر کی موئد ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبوت محمدی ﷺ کے سراج منیر کے بعد کسی بھی نبی کا چراغ نہیں جل سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

((ان عمر بن الخطاب اتی رسول اللہ ﷺ بنسخة من التوراة فقال یا رسول اللہ ﷺ هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرء و وجه رسول اللہ ﷺ یتغیر فقال ابو بکر ثکلتک الثواکل ما تری بوجه رسول اللہ ﷺ فنظر عمر الی رسول اللہ ﷺ فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ ومن غضب رسوله رضینا باللہ رباً و بالاسلام دیناً و بمحمد نبیاً فقال رسول اللہ ﷺ و الذی نفسی بیده لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموه و ترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیاًو ادرک نبوتی لا تبعنی))

(سنن دارمی بسند حسن باب ما یتقی من تفسیر النبی ﷺ وقول غیرہ عند قولہ)

حضرت عمرؓ رسول اکرم ﷺ کے پاس تورات کا نسخہ لائے اور عرض کیا حضور یہ تورات کا نسخہ ہے نبی ﷺ خاموش رہے اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ نبی ﷺ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتے (یعنی نبی ﷺ غضبناک ہو گئے ہیں) حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہنے لگے میں اللہ سے اور اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول ﷺ کے غضب سے پناہ پکڑتا ہوں اور اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے نبی ہونے میں راضی ہوں (یعنی اللہ کے علاوہ ہمیں کسی رب اور اسلام کے علاوہ کسی دین اور محمد ﷺ کے سوا کسی نبی کی ضرورت نہیں) پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر آج تمہارے درمیان موسیٰ علیہ السلام بھی

ظاہر ہو جائیں اور پھر مجھ کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرتے تو تم سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاتے (سنو) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام (آج) زندہ ہوتے اور میری نبوت پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے۔

مذکورہ حدیث پڑھ کر مسلمانوں کو بڑی سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تورات کا نسخہ دیکھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے حالانکہ حضرت عمرؓ اس نیت سے تورات کی ورق گردانی نہیں کر رہے تھے کہ وہ اسکی تعلیم کے مطابق عبادات بجالائینگے اور شریعت موسوی پر چل کر زندگی گذاریں گے دراصل بات یہ تھی کہ تورات انھیں اتفاقاً مل گئی تھی اور وہ اسے یونہی سرراہ دیکھ رہے تھے رسول کریم ﷺ نے قرآن اور حدیث ہوتے ہوئے تورات (اللہ کی نازل کردہ برحق کتاب) حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیکھ کر اسلئے غصہ کا اظہار کیا کہ کہیں عمرؓ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کتاب وسنت کے علاوہ دوسری کتابوں، فقہاء وعلماء کی بے سند باتوں، پیروں کے قصوں، صوفیوں کی کہانیوں اور بزرگوں کے خوابوں کی طرف نہ رجوع کرنے لگ جائیں اور رفتہ رفتہ کتاب وسنت کے علاوہ چیزوں کو اسلام میں سند وحیثیت حاصل نہ ہو جائے۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن واحادیث کے علاوہ جب معصوم نبی برحق ﷺ پر نازل کردہ کتاب تورات پڑھنے کی اجازت نہیں تو قال اللہ وقال الرسول کے سوا کسی دوسری کتاب کے پڑھنے اور ماننے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے لہٰذا معلوم وثابت ہوا کہ ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء اور امام اعظم ہیں جس زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی

نبوت ہوتی آپ ﷺ واجب الاطاعت ہوتے تمام انبیاء کرامؑ کی تابعداری پر جو اسوقت ہوں آپ ﷺ کی تابعداری وفرمانبرداری مقدم ہوتی یہی وجہ تھی کہ معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کے آپ ﷺ ہی امام بنائے گئے اسی طرح میدان محشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کے لئے لانے میں شفیع آپ ﷺ ہی ہوں گے یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ﷺ کے علاوہ اور کسی کے لائق نہیں تمام انبیاء کرام اور کل رسل علیہم السلام اس دن اس کام سے منہ پھیرلیں گے بالآخر آپ ﷺ ہی خصوصیت کے ساتھ اس مقام میں کھڑے ہونگے۔

اختلاف مسائل کی صورت میں قرآن واحادیث کی طرف لوٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

قرآن مقدس میں ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ أَطِیْعُواْ اللّهَ وَأَطِیْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِیْ الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَیْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِیْلاً﴾ (النساء۵۹)

اے ایمان والو! فرماں برداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرماں برداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف اگر تمھیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

علامہ طبریؒ اس آیت کریمہ کے لفظ ''الرسول'' کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں ''اگر تم کتاب اللہ میں اس کے علم کی کوئی راہ نہ پاؤ تو اگر رسول اکرم ﷺ زندہ ہوں تو ان کی طرف معاملہ کو لوٹا کر اس کی معرفت حاصل کرو اور اگر وفات پاچکے ہوں تو ان کی سنت سے معرفت اور رہنمائی حاصل کرو'' (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۲)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ''فردوه الى الله والرسول'' کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اگر تم جانتے ہو تو (اس کی طرف اس متنازعہ مسئلہ کو لوٹاؤ) لیکن اگر تم نہیں جانتے کہ (اس بارے میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے کیا فرمایا ہے) تو اگر تم رسول اکرم ﷺ تک پہنچو تو ان سے دریافت کرلو یا پھر تم میں سے جو کوئی ان تک پہنچے (وہ دریافت کرے) کیونکہ آپ ﷺ کے فیصلے کے بعد یہ فرض ہے کہ تم میں کوئی تنازعہ باقی نہ رہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب:۳٦)

اور جو تنازعہ رسول اکرم ﷺ کے بعد اٹھ کھڑا ہو تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پھر اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف لوٹایا جائے (الرسالہ للامام الشافعی ص ۸۰)

حافظ ابن عبدالبر نے میمون بن مہران سے روایت کی ہے کہ ''ان الرد الى الله هو الرد الى كتابه والرد الى الرسول هو الرد اليه ماكان

حیا فاذا مات فالرد الی سنته (جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانا اس کی کتاب (قرآن) کی طرف لوٹانا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹانا، اگر وہ زندہ ہوں تو ان کی طرف رجوع کرنا ہے اور اگر وفات پا چکے ہوں تو ان کی سنت کی طرف لوٹانا ہے۔

امام ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں:

''اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ یہاں رد سے مراد قرآن اور رسول اکرم ﷺ سے مروی خبر کی طرف رجوع کرنا ہے، کیونکہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ یہ خطاب ہماری طرف اور روز قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن اور انسانوں کی طرف ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے لوگوں اور ان کے بعد آنے والوں کی طرف تھا اگر کوئی ہیجان زدہ یا شرانگیز یہ کہے کہ یہ خطاب (ہم سے نہیں) صرف ان لوگوں سے ہے جن کی رسول اکرم ﷺ سے ملاقات ممکن تھی تو کیا اس کا یہ شغب و ہیجان اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ممکن اور درست ہوسکتا ہے؟ جب کہ کسی شخص کے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ لہذا یہ ظن وگمان باطل ہوا، اور ہماری یہ بات درست ہوئی کہ مذکورہ ''رد'' سے مراد کلام اللہ یعنی قرآن اور اس کے نبی ﷺ کے کلام کی طرف رجوع کرنا ہے، جو کہ ہم تک نسلاً بعد نسلٍ منقول ہے'' (الاحکام فی اصول الاحکام ص ۸۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس آیت کے تحت ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''اس آیت میں بدون اولی الامر، رسول اکرم ﷺ کی طرف معاملہ کو لوٹانے میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اس طرح درحقیقت مطاع اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ یہ بات معروف ہے کہ جن دو چیزوں کا ہمیں مکلّف ٹھہرایا گیا ہے وہ قرآن و سنت ہیں۔ پس اللہ کی اطاعت کرو جس کے بارے میں تمہارے لئے قرآن میں نص موجود ہے اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرو جس کے بارے میں انھوں نے تمہارے لئے قرآن سے توضیح فرمائی ہے اور اپنی سنت سے جو تمہارے اوپر نص قائم کی ہے۔ یا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس بارے میں جس کا کہ تم کو وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے، جس کی تلاوت بھی عبادت ہے اور رسول اکرم کی اطاعت کرو جس کا تم کو اس وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا جو کہ قرآن نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱)

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

''ان الرد الی اللّٰہ ھو الرد الی کتابہ والرد الی الرسول ھو الرد الی سنتہ بعد موتہ'' (الموافقات للشاطبی ج ۴ ص ۱۰)

یعنی اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد اس کی کتاب (قرآن) کی طرف رجوع فرمانا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اس نکتے پر غور فرمایئے کہ ''اطیعوا'' کے لفظ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا اسی طرح اپنے نبی ﷺ کے لئے بھی فرمایا اس کے ساتھ یہ

قید نہیں رکھی کہ جب فرمان رسول ﷺ کتاب الٰہی کے مطابق ہو تب فرمان رسول واجب الاطاعت ہے بلکہ اپنے رسول کی اطاعت مستقل واجب کی جیسے اپنی اطاعت واجب کی بلکہ آپ ﷺ کا ہر حکم واجب التعمیل ہے خواہ وہ حکم کلام اللہ شریف میں ہو یا نہ ہو نبی ﷺ کو جہاں کتاب اللہ دی گئی ہے وہیں اس کے ساتھ اس جیسی اور چیزیں بھی دی گئی ہیں جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے:

(عن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال قال: رسول اللہ ﷺ لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ امر مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری، ما وجد ناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ)

(ترمذی مع التحفۃ کتاب العلم باب ما نہی عنہ ان یقال عنہ حدیث رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث ۲۸۰۰ وقال الترمذی ھذاحدیث حسن)

حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے ہو اور اس کے پاس میری ان باتوں میں سے کوئی بات پہونچے جس کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے میں نے روکا ہے۔ تو وہ کہے مجھے نہیں معلوم! ہمیں تو جو قرآن میں ملتا ہے اس کی پیروی کرتے ہیں ورنہ نہیں۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(عن المقداد ابن معدیکرب الا انی او تیت الکتاب و مثلہ معہ، الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول! علیکم بھذا القرآن، فما

وجدتم فيه من حلال فاحلوه ، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، وان ما حرم رسول الله كما حرم الله))

(ترمذی مع التحفۃ کتاب العلم باب ما نھی عنہ ان یقال عنہ حدیث رسول اللہ ﷺ رقم الحدیث ۲۸۰۱ صحیح الجامع الصغیر رقم الحدیث ۲۶۴۰ وقال الالبانیؒ صحیح)

مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار! میں قرآن دیا گیا ہوں اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک اور چیز، خبر دار قریب ہے کہ ایک ایسا آسودہ شخص اپنی مسند پر ہوگا جو کہتا ہوگا (لوگو!) اس قرآن کو لازم پکڑو جو اس میں حلال پاؤ گے اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ گے اسے حرام سمجھو (رسول ﷺ فرماتے ہیں) حالانکہ جسے رسول ﷺ نے حرام کر دیا وہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کیا۔

اور اولی الامر کی اطاعت مستقل فرض نہیں کی گئی بلکہ فعل لفظ (اطیعوا) کو یہاں حذف کر کے ان کی فرماں برداری اطاعت رسول کی ماتحتی میں کر دی گئی ہے اور آگاہ کر دیا گیا کہ صاحب حکومت یا صاحب علم کی فرماں برداری پیغمبر ﷺ کے احکام کی موافقت میں ہے تو خلاصہ صرف اسقدر ہوا کہ ان صاحب امر میں جو فرمان رسول کے ماننے کا حکم کرے اس کی مانی جائے اور جو فرمان رسول کے خلاف کہے اس کی ماننا حرام ہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کریمہ کے ضمن میں رقمطراز ہیں

”اولوالامر (اپنے میں سے اختیار والے) سے مراد بعض کے نزدیک امراء اور حکام ہیں

اور بعض کے نزدیک علماء اور فقہاء ہی مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اصل اطاعت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کیوں کہ: **أَلاَ لَهُ الْخَلْقُ وَالأَمْرُ** (الاعراف:۵۴) خبردار مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے **إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ** (یوسف:۴۰) حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے لیکن چونکہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خالص اس کی منشاء اور مرضیات کا نمائندہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ رسول کے حکم کو بھی مستقل طور پر واجب الاطاعت قرار دیا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (**مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ**) (النساء:۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے حدیث بھی اسی طرح دین کا ماخذ ہے جس طرح قرآن کریم، تاہم امراء و حکام کی اطاعت بھی ضروری ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے احکام کا نفاذ کرتے ہیں امت کے اجتماعی مصالح کا انتظام اور نگہداشت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امرا و حکام کی اطاعت گرچہ ضروری ہے لیکن وہ علیٰ الاطلاق نہیں بلکہ وہ مشروط ہے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے ساتھ۔ اسی لئے ''اطیعو االلہ'' کے بعد ''اطیعو الرسول'' تو کہا کیونکہ یہ دونوں اطاعتیں مستقل اور واجب ہیں لیکن ''اطیعوااولی الامر'' نہیں کہا کیونکہ اولی الامر کی اطاعت مستقل نہیں اور اس آیت کریمہ کے شان نزول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے

(عن علی رضی اللہ عنہ قال بعث النبی ﷺ سریۃ فاستعمل رجلا

من الا نصار وامر هم ان يطيعوه.فغضب فقال امركم النبی صلی الله عليه وسلم ان تطيعونی: قالوا :بلٰی قال: فاجمعوا لی حطبا. فجمعوا! فقال اوقدوا نارا، فاقدوها، فقال: ادخلو ها،فهموا،وجعل بعضهم يمسک بعضا ويقولون، فررناالی النبی ﷺ من النار فما زالوا حتی خمدت النار فسکن غضبه فبلغ النبی ﷺ فقال: لو دخلوها ماخرجوا منها الی يوم القيامة الطاعة فی المعروف))

(بخاری مع الفتح کتاب المغازی باب سریۃ عبداللہ بن حذافہ رقم الحدیث ۴۳۴۰)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ بھیجا اوران کا امیر ایک انصاری صحابی کومقرر کیا اورلوگوں کوان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ایک مرتبہ وہ غصہ ہوگئے اورفرمایا کہ کیا تمہیں نبی ﷺ نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا ہے سب نے کہا ہاں بیشک دیا ہے تو فرمانے لگے لکڑیاں اکٹھا کرو اوراسمیں آگ لگا کر کود پڑ و لوگوں نے کودنے کا ارادہ کیا اور بعض روکنے لگے اور کہنے لگے ہم نبی ﷺ کی طرف اسی لئے آئے ہیں (اسلام قبول کیا ہے) کہ ہم آگ سے نجات پائیں (اور یہاں معاملہ یہ ہے ابھی آگ میں جلیں) یہاں تک کہ آگ بجھ گئی اوراس درمیان ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہوگیا جب نبی کریم ﷺ تک یہ بات پہونچی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم لوگ اس میں داخل ہوجاتے تو قیامت تک اسی میں رہتے اوراطاعت صرف معروف کام میں ہے۔

اس واقعہ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ امیر وقت جس کے متعلق حدیث

نبوی ﷺ ہے:

((من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصا امیری فقد عصانی))

(بخاری کتاب الاحکام باب اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول رقم الحدیث ۷۱۳۷)

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:

((ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبد مجدع الاطراف))

(مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ)

میرے خلیل رسالت مآب ﷺ نے مجھے وصیت کی سننے اور ماننے کی اگر چہ ناقص ہاتھ پاؤں والا غلام ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری روایت میں ((عبد حبشی کأن راسه زبیبه)) کا بھی لفظ ہے یعنی حبشی غلام گویا کہ اس کا سر انگور ہے (بخاری مع الفتح کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ رقم الحدیث ۷۱۴۲)

شرح مسلم میں امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''اگر چہ بالکل خسیس اور کمتر نسب والا کالا کلوٹا غلام ہی کیوں نہ ہو اس کی بھی اطاعت واجب ہے''

اللہ اکبر! رسول اکرم ﷺ نے امیر وقت کی اطاعت کے متعلق اتنا اہم حکم دینے

اور شدید تاکید کرنے کے باوجود بھی صحابہ کرامؓ سے فرمایا اگر تم لوگ اپنے امیر کی اطاعت کر کے اس آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اسی آگ میں رہتے آپ ﷺ نے فرمایا ((انما الطاعة فی المعروف)) حاکم وقت کی اطاعت صرف معروف کام میں کی جائے گی۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسائل شرعیہ سب کے سب چھوٹے بڑے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں موجود ہیں اگر نہ ہوتے تو پھر ان کی طرف اختلاف کے لوٹانے کا کیا فائدہ؟ ''شیئ'' کا لفظ نکرہ اور بیان شرط میں ہے اس لئے عربی قواعد کے اعتبار سے مسلمانوں کے تمام اختلافات کو جو مسائل دین میں ہوں شامل ہے خواہ وہ کوئی معمولی مسائل ہو یا غیر معمولی چھوٹا ہو یا بڑا چھپا ہو یا کھلا، نیز یہ کہ اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب اللہ کی طرف لوٹانا ہے اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ کی اپنی ذات گرامی کی طرف لوٹانا ہے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی سنت و حدیث کی طرف، اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

حافظ ابن رجبؒ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو بھی رسول کریم ﷺ کی کوئی حدیث ملے اس پر واجب ہے کہ امت کو بتائے امت کا خیر خواہ ہو اور اس کے امر کی اتباع کا حکم دے چاہے یہ امت کے کسی بڑے امام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا حکم تعظیم اور اقتداء کا زیادہ مستحق ہے بہ نسبت کسی امام اعظم کی رائے کے، جس سے نادانستہ

طور پر رسول ﷺ کے حکم کی بعض چیزوں میں مخالفت ثابت ہو چکی ہے۔(۱)

(۱) بالخصوص کتب فقہ احناف کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ایسے بکثرت مسائل ہیں جو قرآن اور احادیث صحیحہ کے سراسر خلاف ہیں ذیل میں ان میں سے چند مسائل بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ۔

کتا، بندر، بلی، شیر وغیرہ جن کی کھال بنانے سے پاک ہو جاتی ہے۔بسم اللہ کہکر ذبح کرنے سے بھی کھال پاک ہو جاتی ہے چاہے بنائی ہو، یا بے بنائی ۔(بہشتی زیور ح ا۔ص ۶۳ مسئلہ ۲۳) یہ مسئلہ صحیح اور صریح حدیث ((**نهى رسول الله ﷺ عن جلود السباع**))(ابوداؤد، کتاب اللباس باب جلود النمر والسباع)''رسول اللہ ﷺ نے درندوں کے چمڑے سے منع فرمایا ہے'' کے خلاف ہے۔

قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (فتاوی عالمگیری اردو ص ۱۶۰ ج ا۔ بہشتی زیور ص ۹۴ ح ۲ مسئلہ ۵) فقہ حنفی کا یہ مسئلہ صحیح بخاری میں مذکور اثر ((**وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف**)) (**كتاب الاذان باب امامة العبد**)''حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان مصحف دیکھ کر ان کی امامت کرتے تھے'' کے خلاف ہے۔

فقہ احناف کا یہ عجیب مسئلہ ہے کہ نماز میں مصحف دیکھ کر پڑھنے سے نماز تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن شہوت کے ساتھ عورت کی شرمگاہ دیکھنے سے نماز درست ہو جاتی ہے چنانچہ کتب فقہ حنفی میں ہے۔''جس عورت کو طلاق رجعی دے چکا ہوا اگر نماز کے اندر شہوت سے اس کی فرج کو دیکھا تو طلاق سے رجعت ہو جائیگی اور ایک روایت کے مطابق اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی مختار ہے'' (فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۴ ج ا)

''نمازی کا نماز کو **سبحان الله، لااله الا الله** ۔۔۔ان کلمات سے شروع کرنا درست ہے'' (کشف الاسرار ترجمہ وشرح در مختار ص ۲۹ جز ۵) اور ''امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عربی پر قدرت کے باوجود دوسری زبان میں تکبیر کہنا جائز ہے'' (کشف الاسرار ص ۲۹ جز ۵) فقہ حنفی کا یہ مسئلہ بھی رسول اکرم ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث ((**تحريمها التكبير وتحليلها التسليم**))(**ابو دأود كتاب الصلوة باب الامام يحدث بعد ما يرفع راسه من آخر ركعة ، ترمذى**)''نماز کو تکبیر حرام کرتی ہے اور اس کو تسلیم حلال کرتی ہے'' کے بالکل خلاف ہے۔اور اسی حدیث کے خلاف فقہ احناف کا درج ذیل مسئلہ بھی ہے ''تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر امام کھل کھلا کر ہنس پڑیگا تو مقتدیوں میں جو مسبوق ہونگے ان کی نماز فاسد ہو جائیگی ، اگر چہ امام اور ان مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی جو شروع سے شریک ہیں بلکہ پوری قرار پائیگی'' (کشف الاسرار ص ۷۷ جز ۷)

فارسی میں قرأت کی یا قرآن کی جگہ انجیل یا توریت پڑھی تو اگر وہ کوئی قصہ تھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر کوئی ذکر تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی (کشف الاسرار ص ۲۷ جز ۵)

اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوران کے بعد کے لوگوں نے ہر صحیح حدیث کی مخالفت

=== یہ مسئلہ بھی نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل واضح فرمان کے خلاف ہے ((**لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب**)) (**بخاری کتاب الاذان باب وجوب القرأۃ للامام والماموم ......**)
''اس شخص کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے''۔

''اگر پچھلی دو رکعتوں میں **الحمد** نہ پڑھے بلکہ تین دفعہ **سبحان اللہ** کہہ لے تو بھی درست ہے، لیکن **الحمد** پڑھ لینا بہتر ہے اور اگر کچھ نہ پڑھے چپکی کھڑی رہے تو بھی کچھ حرج نہیں نماز درست ہے'' (بہشتی زیور ص۹۲ حصہ۲ مسئلہ ۱۷) جب کہ یہ مسئلہ آئندہ سطور میں ذکر کی جانے والی صحیح حدیث کے خلاف ہے ((**عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کنا نحزر قیام رسول اللہ ﷺ قیامہ فی الرکعتین الاولیین من الظہر ثلٰثین آیۃ فی الاخریین النصف من ذٰلک وحزرنا فی الرکعتین الاولیین من العصر علیٰ قدر قیامہ فی الاخریین من الظہر وفی الاخریین من العصر علیٰ النصف من ذٰلک**)) (**مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی الظہر والعصر**) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیتوں کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعتوں میں پندرہ آیتوں کے برابر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سے پہلی دو رکعتوں میں پندرہ آیتوں کے برابر قراءت کرتے اور دوسری دو رکعتوں میں اس سے نصف کے بقدر قراءت کرتے''۔

''کم سے کم مہر کی مقدار تخمیناً پونے تین روپے بھر چاندی ہے (بہشتی زیور ص۱۹۴ حصہ۴ مہر کا بیان مسئلہ۲) درحقیقت فقہ حنفی کے اس مسئلہ میں نکاح جیسے مقدس فعل کو چوری جیسے مذموم عمل پر قیاس کیا گیا ہے۔ جب کہ صحیح اور صریح حدیث سے ثابت ہے نبی اکرم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے عتق (آزادی) کو ان کی مہر قرار دیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں ((**ان رسول اللہ ﷺ اعتق صفیۃ وجعل عتقھا صداقھا**))
(**بخاری کتاب النکاح باب من جعل عتق الامۃ صداقھا**)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے (قدوری، ص۱۶۸) یہ مسئلہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ **وفصٰلہ فی عامین** ﴾ (**لقمان ۱۴**) ''اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو سال میں'' کے سراسر خلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ایسے ہی صریح خلاف قرآن و سنت مسائل کی وجہ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:
امام ابو حنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اسی لئے ان کے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود ان کے خاص شاگردوں نے بھی بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت، قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا، قتل بالمثقل، نکاح محرمات میں حد کا لازم نہ آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی'' (سیرۃ النعمان ص۱۸۷ حصہ۲ کتب خانہ اعزازیہ دیو بند)

کرنے والے شخص پر رد کیا ہے اور بسا اوقات تو اس رد میں بڑی شدت سے کام لیا ہے جسکا سبب کوئی ذاتی بغض نہیں تھا بلکہ انکے دلوں میں مردود علیہ کی محبت اور عظمت موجود تھی لیکن رسول اکرم ﷺ ان کے نزدیک ان سے بھی زیادہ محبوب تھے اور آپ کا حکم ہر مخلوق کے حکم پر بالا ہے اس لئے اگر رسول اکرم ﷺ کے فرمان سے اگر کسی کا قول ٹکراتا ہے تو رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہی مقدم ہوگا اور اسی کی اتباع کی جائے گی کیونکہ یہی حکم الٰہی اور صحابہ کرامؓ کا طرز عمل بھی ہے۔ (مقدمہ صفۃ صلاۃ النبی ﷺ مترجم ص ۱۱۰)

اختلاف مسائل کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

کتب احادیث اور مستند تواریخ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں جب کسی مسئلہ کے متعلق اختلاف ہوجاتا تھا تو وہ فرمان الٰہی ﴿فردوہ الی اللہ والرسول﴾ (اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ) پر عمل کرتے ہوئے اس کو کتاب وسنت میں تلاش کرتے تھے اگر اس میں مل جاتا تو اسی کو بسروچشم بلا چوں و چرا تسلیم کرلیتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں چند واقعات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

☆ سنن ترمذی، کتاب الحج میں سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک شامی آدمی کو عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کرتے ہوئے سنا جو حج تمتع کا مسئلہ دریافت کررہا تھا تو ابن عمرؓ نے کہا یہ حلال ہے تو اس نے کہا مگر آپ کے والد محترم تو اس سے منع کرتے ہیں عبداللہ بن عمرؓ نے کہا یہ بتاؤ اگر میرے والد محترم نے منع کیا ہو اور رسول اکرم ﷺ نے کیا ہو تو آپ میرے والد کی بات مانو گے یا رسول اکرم ﷺ کا حکم؟ تو سائل نے کہا کہ

رسول اکرم ﷺ کا حکم مانوں گا،تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا رسول اکرم ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ (ترمذی مع التحفہ کتاب الحج رقم الحدیث ۸۲۳ قال البانیؒ صحیح الاسناد)

☆ حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ملک شام کی طرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب آپ مقام سرغ پر پہونچے تو آپؓ کے اجناد (شام کے شہروں) کے قائدین حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ان کے ساتھی ملے انھوں نے آپؓ کو بتلایا کہ ملک شام میں وباء پھیلی ہوئی ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس مہاجرین اولین کو بلا کر لاؤ چنانچہ میں ان کو بلا کر لایا تو آپؓ نے ان سے مشورہ طلب کیا اور بتلایا کہ شام میں وباء پھیلی ہوئی ہے پس ان کے درمیان (اس مسئلہ میں) اختلاف ہوا بعض نے کہا آپ ایک مقصد کیلئے نکلے ہوئے ہیں اور ہماری رائے یہ ہے کہ آپ اس سے رجوع نہ کریں اور بعض نے کہا آپ کے پاس بچے کھچے لوگ اور رسول اکرم ﷺ کے صحابہؓ ہیں ہماری رائے یہ ہے کہ آپؓ ان کو اس وباء کے سامنے نہ پہونچائیں آپؓ نے فرمایا اچھا میرے پاس سے چلے جاؤ پھر آپ نے فرمایا،میرے پاس انصار کو بلاؤ تو میں ان کو بلایا پس آپؓ نے ان سے مشورہ طلب کیا تو وہ بھی مہاجرین کے راستہ پر چلے اور ان ہی کیطرح ان میں بھی باہم اختلاف ہوا آپ نے فرمایا جاؤ میرے پاس سے چلے جاؤ پھر آپ نے فرمایا میرے پاس موجود قریش کے سن رسیدہ بزرگوں کو بلا کر لاؤ جنھوں نے فتح مکہ کے موقع پر ہجرت کی چنانچہ میں ان کو بلا کر لایا پس ان میں دو آدمیوں نے اختلاف نہیں کیا اور سب نے متفقہ طور پر یہ

کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ہمراہ لوٹ جائیں اور اس وباء کے سامنے پیش نہ کریں پس حضرت عمرؓ نے لوگوں کے سامنے منادی کرادی کہ میں صبح کو (واپسی کیلئے) سوار ہونگا پس تم بھی صبح کو اس کی تیاری کرلو تو حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے فرمایا، کیا اللہ کی تقدیر سے فرار کرتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کاش یہ بات آپ کے علاوہ کوئی اور کہتا (اور حضرت عمرؓ ان سے اختلاف کو ناپسند کرتے تھے) ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگ رہے ہیں بھلا یہ بتاؤ اگر تمہارے پاس اونٹ ہو اور وہ ایسی وادی میں اتریں جس کے دو کنارے ہوں اور ان میں سے ایک شاداب ہو اور دوسرا بنجر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اگر آپ انھیں شاداب حصے میں چرائیں گے، تب بھی اللہ کی تقدیر سے ہی چرائیں گے اور بنجر حصے میں چرائیں گے تب بھی اللہ کی تقدیر سے ہی چرائیں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آ گئے جو اپنے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے مشورہ میں شامل نہیں تھے انہوں نے فرمایا میرے پاس اس مسئلہ کی بابت علم ہے میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے سنا ہے جب تم سنو کہ کسی جگہ پر وباء پھیلی ہوئی ہے تو وہاں مت جاؤ اور جب کسی ایسی جگہ وباء پھیلے جہاں تم موجود ہو تو اس سے بھاگنے کیلئے وہاں سے مت نکلو پس حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور واپس ہو گئے۔ (بخاری مع الفتح کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون رقم الحدیث ۵۷۲۹)

☆ حضرت یحییٰ بن سعید بن المسیبؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ انگوٹھے کی دیت پندرہ اونٹ، اس کے

ساتھ والی انگلی اور اسی طرح درمیان والی انگلی کی دیت دس اونٹ، اور اس کے برابر والی انگلی کی نو اونٹ اور سب سے چھوٹی انگلی کی چھ اونٹ ہے۔ لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ آل عمرو بن حزم کی کتاب میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے تمام انگلیوں کی دیت دس دس اونٹ مقرر فرمائی ہے تو انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا۔

(الرسالہ الامام الشافعی ص ۴۲۲)

☆ حضرت عمرؓ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ لوگو! تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے؟ رسول اکرم اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے چار سو (۴۰۰) درہم (تقریباً) مہر باندھا ہے اگر یہ زیادتی تقوی کا سبب ہوتی تو اسکی طرف تم نہ سبقت لے جاتے۔ خبردار! آج سے میں یہ نہ سنوں کہ کسی نے چار سو (۴۰۰) درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے یہ فرما کر نیچے اتر آئے تو ایک قریشیہ عورت سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین کیا آپ نے چار سو (۴۰۰) درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرمایا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، کہا کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس نے نازل کیا ہے نہیں سنا ہے کہا وہ کیا؟ کہا سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَاراً﴾ (نساء: ۲۰) تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے اور اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ مہر سے روک دیا تھا لیکن اب میں کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے جتنا مہر چاہے دے میں نہیں روکتا۔

(تفسیر ابن کثیر سورہ نساء ۲۰)

غور کرنے کا مقام ہے ایک طرف خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کا حکم ہے آپ اولوالامر کے بلند مقام ومرتبہ پر فائز بھی ہیں اور آپ کے متعلق حدیث نبوی بھی ہے

((لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب))

(ترمذی مع التحفۃ ابواب المناقب رقم الحدیث ۳۹۲۳ وحسنہ الالبانیؒ)

یعنی میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ بن خطاب ہوتے۔ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق فرماتے ہیں اگر ترازو کے ایک پلڑے میں حضرت عمرؓ فاروق کا علم رکھا جائے اور دوسرے میں تمام دنیا کا تب بھی حضرت عمر فاروقؓ کے علم کا پلڑا وزنی ہے۔ (ترجمہ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۲)

ان تمام فضائل کے باوجود ایک معمولی عورت قرآن مجید کی آیت سے استدلال کرکے آپ کو خاموش کردیتی ہے اور آپ اپنے اجتہاد سے رجوع کرلیتے ہیں۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا طبقۂ اولیٰ (صحابۂ کرامؓ کے زمانے) میں فرقہ بندی نہیں تھی کیا کوئی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی نہ تھا، ان کا جواب ان بزرگوں کی تاریخ سے مل سکتا ہے جن کی طرف یہ فرقے منسوب ہیں، ان ائمہ میں سب سے بڑی عمر کے امام ابوحنیفہؒ ہیں جو ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ان کے ۱۳ رسال بعد ۹۳ھ میں امام مالکؒ پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں امام شافعیؒ پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبلؒ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، گو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی پیدائش پہلی صدی ہجری ہے مگر بحیثیت ایک عالم، مفتی اور مجتہد کے دوسری صدی میں دنیا کے سامنے آتے ہیں۔

اس سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں چاروں فرقوں کا نام نہ تھا کیونکہ جن اماموں کی طرف ان فرقوں کی نسبت ہے وہی نہ تھے تو فرقہ کہاں؟ پس ان فرقوں کی بابت اس سوال کا جواب اسلامی تاریخ یہی دیتی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں صرف سیدھے سادھے مسلمان تھے جن کا دستور العمل قرآن اور اقوال نبی ﷺ تھا اور بس، اس کے سوا اور کوئی فرقہ نہ تھا نہ فرقہ بندی۔

اسلام اور تقلید شخصی:

اسلام کی تعلیم اور اس کے اندر جو کچھ ہم سے ذمہ داری لی گئی ہے اس کو جہاں تک اول سے آخر تک دیکھا گیا، کہیں اس بات کا صراحتاً یا اشارۃً معمولی بھی پتہ ونشان نہیں ملتا کہ ہم کو کسی خاص مجتہد کے مذہب کی تقلید بھی کرنا ضروری ہے اسلام کے ابتدائی عہدنامہ (لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کو دیکھئے کہ جو اسلامی تعلیم کا گویا لب لباب ہے تو اس میں صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت اور ان کی ہی تابعداری کا اقرار ہے اس کے ساتھ کسی مجتہد و امام کی امامت کا اقرار نہیں لگایا گیا اسی طرح جو قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے یہاں پر آخرت کے راہی کی مذہبی زندگی کا ہلکا سا امتحان (TEST) لیا جاتا ہے اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اگلی منزلیں اس پر آسان ہونگی حتیٰ کے سب سے بڑے حشر والے امتحان میں کامیاب ہوکر بہشت میں داخل ہو جائے گا اور اگر قبر کے ٹیسٹ میں سوالوں کا جواب نہ دے سکا تو آنیوالی منزلوں میں مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے

یہاں تک کہ امتحان محشر میں ناکام ہوکر بہت بری جگہ یعنی جہنم میں جا پڑیگا۔

رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق قبر میں منکر ونکیر جو سوالات کریں گے اس میں رب، رسول، دین اور قرآن کی بابت سوال کا ذکر ہے لیکن کہیں اس سوال کا ذکر نہیں ہے کہ تم کس امام کے مقلد تھے کہیں غیر مقلد تو نہیں تھے مختصر یہ کہ جہاں تک اسلامی تعلیمات کو دیکھئے کہ اسلام نے ہم کو بجز اس بات کے اور کسی بات کا مکلّف نہیں کیا کہ ایک امام یا ایک مجتہد کو مقرر کر کے اسی کی یا اس کے مذہب کی جملہ مسائل میں پیروی کرے یا جس نے جس امام و مجتہد کے قول پر عمل کیا اس کو پھر اسی کے مذہب پر چلنا چاہئے۔

تقلید اور عہد صحابہ:

گذشتہ صفحات میں حضرت عمرؓ کے ذکر کردہ مختلف واقعات سے ثابت ومعلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو اول کتاب اللہ میں نظر کرتے اگر اس مسئلہ میں کوئی آیت مل جاتی تو خیر، ورنہ احادیث رسول ﷺ میں جو ان کے سینہ میں ہوتی ڈھونڈتے اگر اس میں مل گیا تو خیر ورنہ اوروں سے پوچھتے پھرتے کہ میرے سامنے یہ واقعہ پیش آیا ہے تم میں سے کسی کو اس کی بابت کوئی حدیث رسول ﷺ معلوم ہے اگر کسی کے پاس کوئی حدیث رسول مل جاتی تو اسی کو اختیار کرتے اور حدیث کے مل جانے پر شکر الٰہی ادا کرتے۔ اگر موجودین میں سے کسی کے پاس نہ ملتی اور وہ اپنے حد جستجو کو ختم کر چکے ہوتے تو سربرآوردہ لوگوں کو جمع کر کے انکی رائے واجتہاد پر نظر کرتے۔ اگر سب کے سب ایک بات پر متفق ہو جاتے تو اس کو لے لیتے مگر ایسا نہیں کیا

گیا۔ تمام عوام وخواص کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے کی تقلید پر آمادہ و مجبور کیا جاتا اور نہ ازخود ان بزرگوں نے ایسا کیا بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کا دستور یہی رہا کہ اپنے آپ کو مسئلہ معلوم ہوا، اس پر عمل کیا، نہ معلوم ہوا ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل:۴۳) اگر تم نہیں جانتے ہو اہل علم سے سوال کرو۔ پر عمل کر کے جس سے اتفاق پڑا دریافت کر لیا کسی کی کوئی تخصیص یا قید نہ تھی ہر شخص اپنے شوق وتوفیق کے مطابق احادیث رسول ﷺ معلوم کرنے میں اور جہاں سے جس سے ملتی حصہ لیتا اور اس پر عمل کرتا ان کا طریقہ عمل بالحدیث تھا شاہ ولی اللہؒ صاحب انصاف میں تحریر فرماتے ہیں:

"وقد تواتر عن الصحابة و التابعين انهم كانوا اذ بلغهم الحديث يعملون به من غيران يلاحظوا شرطا" (یعنی صحابہ وتابعین سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب انھیں کوئی حدیث مل جاتی تھی تو اس پر بغیر کسی قید وشرط کے عمل کرنے لگتے تھے) اور سب کے سب ایک ہی روش پر تھے گو بعض بعض مسائل میں اختلاف بھی تھا مگر فرقے و مذاہب علیحدہ علیحدہ قائم نہ تھے، اور جیسے وہ لوگ اعمال میں ایک سیدھے اور صاف طریقہ (عمل بالحدیث) پر تھے اسی طرح اس وقت میں عقائد کی سطح بھی نہایت ہی مستوی وہموار تھی۔ قرآن وحدیث میں صفات الٰہی پر اور امور آخرت وغیرہا عقائد کے متعلق جو باتیں مذکور ہیں نہ ان میں کوئی موشگافیاں پیدا ہوئی تھیں اور نہ تاویلیں پیدا کی گئی تھیں۔ غرض اعمال وعقائد ہر اعتبار سے تمام مسلمانوں کی ایک ہی جماعت تھی۔

تقلید اور عہد تابعین عظامؒ:

صحابہ کرامؓ کے مقدس اور مبارک دور کے بعد جب تابعین عظام کا دور آیا تو یہ لوگ بھی قرآن واحادیث کے پاک وصاف چشمے سے براہ راست سیراب ہوتے تھے ہر طرف قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صدائیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ کسی خاص شخص کو مطاع اور امام اور اس کے قول وفعل کو بلا سند حجت نہیں مانا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمان جاری کیا کہ اللہ کی کتاب میں کسی کی رائے کی گنجائش نہیں ہے اور اماموں کی رائے اس بات میں جائز ہے جس کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی حکم نازل ہوا ہو اور نہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی سنت ثابت ہو اور جو سنت رسول اللہ ﷺ نے جاری کردی ہو اس میں کسی کی رائے کا اعتبار نہیں (سنن دارمی ۶۲) دارمی میں ایک اور روایت ہے جس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ تابعین کے وقت حدیث نبوی ﷺ کے سامنے کسی اور کا نام لینا بھی موجب عبرت ہوتا تھا۔ قتادہ تابعیؒ کہتے ہیں کہ امام محمد بن سیرینؒ نے کسی شخص کی حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا فلاں شخص (اس امر میں) ایسا ایسا کہتا ہے اس پر امام محمد بن سیرینؒ نے کہا میں تجھ کو نبی کریم ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو (ان کے مقابلہ میں) کہتا ہے فلاں شخص ایسا ایسا کہتا ہے میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا (دارمی ص ۶۳)

ان روایات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ تابعین میں صرف اور صرف قرآن واحادیث پر عمل تھا اور ان کے مقابلہ میں کچھ نہ سنا جاتا تھا اور انہی کو حجت شرعی تسلیم کیا جاتا تھا۔

تابعین کے دور کے بارے میں ہم نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ بالکل مبنی

برحقیقت ہیں ہم اس دور میں کسی ایک شخص (جو اہل بدعت سے نہ ہو) کو کسی کا مقلد نہیں پاتے اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر مقلدین حضرات جرأت کر کے کسی معروف تابعی کا ذکر کریں کہ اس نے فلاں شخص کی تقلید کی ہے۔ ہم شکر گذار ہوں گے۔

ایں خیال است، ومحال است وجنوں۔

تقلید اور عہد تبع تابعینؒ:

زمانہ تابعین کے بعد اتباع تابعین کا زمانہ ہے اس دور میں بڑے بڑے فتنے سر اٹھا چکے تھے اور ایک انقلاب عظیم ہو چکا تھا خیالات میں آزادی اور رائے وقیاس کی پیروی رائج ہو چکی تھی پھر بھی یہ ایسا دور تھا جس میں تقلید کا قطعاً رواج نہیں پڑا تھا بڑے بڑے ائمہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسی مقدس ہستیاں اپنے تلامذہ کو کتاب اللہ اور سنت رسول پر سختی سے عمل کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور وہ شاگرد بھی ایسے باکمال تھے کہ وہ اپنے استاد سے ہر اس مسئلہ میں اختلاف کرتے جس کو وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف سمجھتے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بقول امام شعرانیؒ اور دیگر اکابر حنیفہ صاحبین کا اپنے استاذ سے دوتہائی (۶۶٪) مسائل میں اختلاف ہے اگر یہ بات حقیقت ہے اور یقیناً حقیقت ہے صاحبین کا اختلاف دوتہائی سے بڑھکر ہوگا تو کوئی انصاف پسند اتنے بڑے اختلاف کی موجودگی میں تقلید کو جائز ودرست تسلیم کر سکتا ہے؟ جب کہ تقلید اختلاف کی متحمل نہیں۔

لہٰذا یہ دور بھی جو تقریباً ۲۲۰ سالوں تک رہا تاریخی طور پر ثابت ہو گیا کہ ان

سب نیک زمانوں میں کتاب وسنت ہی کو لوگ اصول سمجھتے تھے کسی دوسری چیز کو ان کے سامنے ہرگز نہیں رکھتے تھے اس دور کے عوام وخواص سب متبع تھے، مقلد نہیں تھے۔

تقلید کی ابتداء:

ان تین نیک زمانوں کے بعد ایسا زمانہ آیا کہ خیانت وکذب کی عام اشاعت ہوئی خودرائی اور اتباع ہویٰ کی کوئی حد نہ رہی نصوص سے بے پرواہی کر کے جو جی میں آیا اسے مذہب قرار دے دیا اور ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد بنا کر امت کو کئی فرقوں میں بانٹ دیا، اس زمانہ میں سنت وبدعت کا اختلاط ایسا ہو چلا تھا اور سچی اور جھوٹی اور صحیح وضعیف روایتوں میں ایسا عدم امتیاز ہو چکا تھا کہ اگر محدثین (شکر اللہ مساعیھم) نہ اٹھ کھڑے ہوتے اور احیاء سنت اور رد بدعت کیلئے کمر ہمت نہ باندھ لیتے تو یہود ونصاریٰ کے دین کی طرح عہد نبوت کے دین کا پتہ لگانا سخت مشکل ہو جاتا۔ اسی زمانہ میں قرآن واحادیث کے ساتھ غیروں کے فتاویٰ بھی جوڑے جانے لگے تھے۔ حتیٰ کہ اسی بے جوڑ جوڑ سے ائمہ کے اقوال کو اصول مان کر ان پر تفریعات وتخریجات شروع ہو گئیں جس سے ادنی واوسط طبع سے تو حفظ وروایت نصوص اٹھ گئی اور اعلیٰ طبقہ سے ملکہ اجتہاد وقوت استنباط معدوم ہو کر تقلید کی تخم ریزی ہو گئی اور اس کا درخت ایسا پھلا پھولا کہ سلطنت کے ساتھ سارے جہاں کو سائے میں لے لیا دوسروں کے اقوال پر قناعت ہونے لگی اور قرآن واحادیث میں خود نظر کرنی متروک ہو گئی چنانچہ حافظ ذہبیؒ اپنی مایۂ ناز تصنیف تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ ثامنہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

فلقد تفانوا اصحاب الحدیث وتلا شوا تبذل الناس بطلبه یهزء بهم اعداء الحدیث والسنة یسخرون منهم وصاره علماء العصر فی الغالب عاکفین علی التقلید فی الفروع غیر تحریر لها

(تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۱ ج ۲)

اصحاب الحدیث یکے بعد دیگرے مرتے گئے اور (جو بچے وہ) حقیر سمجھے جاتے تھے لوگوں نے علم حدیث کی نگہداشت چھوڑ دی اور حدیث وسنت کے دشمن محدثین کو ٹھٹھے اور مخول میں اڑانے لگے اور اس زمانہ کے اکثر علماء فروع (عملیات) میں بغیر تحقیقات کے تقلید پر جم گئے۔

اس کے بعد اس روش میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی کیونکہ عوام کی طبیعت میں پست ہمتی اور اوساط میں دوسرے کا سہارا پکڑنا اکثر ہے اس سے تقلید کی جڑ مضبوط ہوگئی چنانچہ حافظ ذہبیؒ طبقہ تاسعہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

وکذالک کان هذاالوقت خلق من ائمه اهل الرای والفروع وعددمن اساطین المعتزله والشیعة واصحاب الکلام الذین شعراء وراء المعقول واعرضوا عماسلف من التمسک بالأثار النبویة وظهرفی الفقهاء التقلید وتناقض الاجتهاد (۲۱۲ج۲)

یعنی ”اسی طرح اس زمانہ میں اہل الرائے اور اہل فروع (فقہاء) کے بہت سے امام تھے اور کئی ایک معتزلوں، شیعوں اور متکلمین کے سردار بھی تھے جو کہ معقولات کے

پیچھے لگ گئے اور انہوں نے آثار نبویہ سے تمسک کرنے سے جو سلف کا طریقہ تھا روگردانی کی اور فقہاء میں تقلید اور تناقض اجتہاد ظاہر ہو گیا''۔

اس طبقہ میں تیسری صدی کے علماء حدیث کا ذکر ہے اس صدی میں تقلید کی تخم ریزی ہوئی اور ہوتے ہوتے چوتھی صدی میں مختلف مذاہب کی مستقل حدیں قائم ہو گئیں اور ہر گروہ کا ایک مذہب معین پر جم جانا اور اس کی پابندی لازم جاننا آئین زمانہ یا فیشن قرار دیا گیا یعنی مذاہب مختلفہ میں سے کسی خاص مذہب کو اختیار کرنا جزو مذہب سمجھا جانے لگا اور صحابہ و تابعین واتباع تابعین رحمہم اللہ اجمعین کے دستور وروش کو فراموش کر دیا گیا چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفیؒ لکھتے ہیں:

" فان اهل السنة والجماعة قدافترق بعد القرون الثلاثه اوالاربعة على اربعة مذاهب " (تفسیر مظہری ص ٦٤ ج ٢)

یعنی تیسری چوتھی صدی میں اہل سنت والجماعت ان چاروں مذاہب کے پابند ہوئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

" ان اهل المائة الرابعة لم يكونوا المجتمعين على التقليد الخالص "

یعنی چوتھی صدی والے بھی کسی شخصی تقلید پر مجتمع نہیں تھے۔ نیز دوسری جگہ نقل فرماتے ہیں:

"اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر الجمعین علی التقلید الخاص"

جان لو کہ امت محمدیہ کے لوگ چوتھی صدی سے پیشتر بعینہ کسی خاص معین مذہب کی تقلید پر جمع نہیں تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲ ج ۱)

تقلید شخصی بدعت ہے:

اپنی طرف سے کسی عالم یا مجتہد کے مذہب کا التزام کرنا، اور اپنے ذمہ اس کی پیروی کو ضروری ٹھہرانا اور یہ سمجھنا کہ فلاں مجتہد ہمارے امام ہیں چنانچہ جو ان کا مذہب معلوم ہو اس پر عمل کرنا اور اس وجہ سے اپنے آپ کو انہیں کی طرف منسوب کرنا اور ان کے اقوال کو اپنا مذہب قرار دینا اور اپنے ذمہ انہیں کی تقلید میں مشغول سمجھنا، اور جب کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے تو انہیں کے مذہب کو تلاش کرنا بلا کسی خاص ضرورت کے علیحدہ نہ ہونا، اور کسی دوسرے مجتہد کے اقوال پر عمل کرنے سے انکار کرنا، یا تنگ دل ہونا اور جو اس پابندی کا ملحوظ نہ رکھے اسے برا سمجھنا اپنی طرف سے نئی شریعت قائم کرنا ہے جو کہ اللہ جل شانہ کے کلام پاک:

﴿شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ۔۲۱)

"جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے"۔

اور حدیث رسول ﷺ ((من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد

کا مصداق ہے چنانچہ مولانا عبدالعلی تحریر فرماتے ہیں" کوئی چیز واجب نہیں بجز اس کے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے اور اسی کا حکم ہے اور اللہ نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ اماموں میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو اپنا مذہب ٹھہرائے، پس اس کا واجب کرنا اپنی طرف سے شرع قائم کرنا ہے" (بحرالعلوم شرح مسلم ۶۳۸)

اور شرع تحریری میں فرماتے ہیں" یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ شارع کی طرف سے تکلیف بس اسی قدر ہے کہ علی التخیر کسی مجتہد کے فتویٰ پر عمل کیا جائے اور تخصیص کسی ایک مجتہد کی ایک بے دلیل بات ہے جو قابل التفات نہیں بلکہ وہ بغیر کسی حجت کے شارع کے حکم کا بدل دینا اور اللہ کی رحمت واسعہ کا بند کر دینا ہے۔

بدعت چھوڑنے اور خالص سنی بننے کی ترغیب:-

درحقیقت بدعت ایسی بری بلا ہے جس بات میں بدعت ہونے کا شبہ بھی ہو اس سے کوسوں دور بھاگنا چاہئے شرک کے بعد بدعت سے بدتر کوئی گناہ نہیں ۔ بدعت سے اللہ تعالیٰ کو ایسی نفرت ہے کہ مبتدع کا نہ فرض قبول ہے اور نہ نفل ۔لوگو! اللہ پاک بے نیاز ہے جس نے تم کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ تم اس کی صحیح صحیح طور پر عبادت کرو اور اس کے سچے دین پر چلو، ڈرو اور اس تقلید شخصی کو جو کہ بدعت حقیقیہ یا حکمیہ ہے اس میں مبتدعین کی مشابہت ہے یا بدعت ہونے کا تردد ہے چھوڑ کر خالص سنی ہو جاؤ اور اسلام کے رنگ اصلی کو جو کہ سلف صالحین کا منہج اور طریقہ تھا اختیار کرو شاہ اسماعیلؒ ایضاح الحق میں تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:" آدمی ہر واقعہ اور ہر محل میں قرآن وحدیث

کے حکم کی تلاش رکھے، اپنے آپ کو علم ہو، اپنے طور پر معلوم کرے، ورنہ کسی ذی علم سے معلوم کرلے، اگر صریح قرآن وحدیث سے مسئلہ نہ ملے اور اپنے آپ کو اس درجہ کا علم نہ ہو کہ بطور قیاس واستنباط کے مسئلہ نکال سکے، کسی مجتہد مسلم الاجتہاد کے بتائے ہوئے مسئلہ کو لے لے، مجتہدین سابقین مسلم الاجتہاد جس قدر گذرے ہیں سب اہل حق اور پیشوا ہیں اور ایک عامی محض کے لئے سب مساوی درجہ رکھتے ہیں اس کو جس مجتہد سے اتفاق پڑے یا جس کا فتویٰ مل جائے اس پر عمل کرلینا چاہئے اس کو کسی امام کے مذہب مقرر کرنے یا کسی مجتہد کے انتظام کرنے کی ضرورت نہیں۔

تقلید کی ممانعت میں ائمہ اربعہؒ کے اقوال:-

ہم مناسب سمجھتے ہیں تقلید کی ممانعت کے متعلق ائمہ کرامؒ خصوصاً ائمہ اربعہ کے بعض اقوال کو ذکر کردیں شاید ان مقلدین کیلئے پندوموعظت ہو جوانکے اقوال ومذاہب سے اس قدر وابستگی رکھتے ہیں گویا وہ منزل من اللہ ہیں جبکہ فرمان ربانی ہے:

﴿اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء﴾(الاعراف:۳)

لوگو! تم اس بات کی پیروی کرو جو تم پر تمہارے رب کیطرف سے اتاری گئی ہے اور اپنے رب سے روگرداں ہوکر دوسرے بزرگوں کی پیروی نہ کرو۔

امام ابوحنیفہؒ کے اقوال:

ائمہ اربعہؒ میں عمر کے اعتبار سے سب سے پہلے اور بڑے امام ابوحنیفہؒ ہیں ان کے شاگردوں نے ان سے متفرق اقوال بیان کئے ہیں جن کا ماحصل صحیح حدیث پر عمل کرنا

ہے اور جو قول سنت کے متصادم ہوں ان کو ترک کر دیتا ہے۔

۱۔ جو صحیح حدیث میں ہو وہی میرا مذہب ہے۔

۲۔ جب میں کوئی ایسی بات کہوں جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دینا۔

امام مالکؒ کے اقوال:

(۱) میں انسان ہی ہوں مجھ سے خطا اور صواب دونوں کا امکان ہے اس لئے تم میری رائے اور فتویٰ میں غور و تامل سے کام لو جو قرآن و احادیث کے مطابق ہو اسے قبول کر لو اور جو قرآن و احادیث کے مطابق نہ ہو اسے ترک کر دو۔

(۲) نبی ﷺ کے علاوہ کوئی ذات ایسی نہیں ہے جس کی بات لی اور چھوڑی نہ جا سکتی ہو صرف نبی ﷺ ہی ایسے ہیں جن کی ہر بات کا قبول کرنا فرض ہے۔

امام شافعیؒ کے اقوال:

(۱) کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو بعض احادیث بھول گیا ہو یا بعض احادیث اس پر مخفی اور پوشیدہ نہ رہی ہو اس لئے اگر میں نے کوئی بات کہی ہو یا کوئی اصول اور قاعدہ بیان کیا ہو لیکن اس بارے میں رسول اکرم ﷺ سے میری بات کے خلاف منقول ہو تو وہی بات مانی جائیگی جو رسول اکرم ﷺ نے کہی اور وہی میرا مذہب ہوگا۔

(۲) تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو اس کیلئے جائز نہیں کہ حدیث کو چھوڑ کر کسی اور کے قول پر عمل کرے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال:

(۱) اوزاعیؒ، مالکؒ اور ابوحنیفہؒ کی رائیں رائیں ہیں میرے نزدیک ان کا درجہ حجت نہ ہونے میں یکساں ہیں دلیل و حجت تو صرف احادیث و آثار ہیں۔

(۲) جس نے نبی کریم ﷺ کی احادیث ٹھکرادی وہ ہلاکت کے دہانے پر ہے۔

ائمہ اربعہؒ کے اقوال کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کی بات لی اور چھوڑی نہ جاسکتی ہو صرف رسول اکرم ﷺ کی بات ایسی ہے جن کی ہر بات کا قبول کرنا واجب اور فرض ہے۔

(مقدمہ مترجم صفۃ صلاۃ النبی ﷺ)

فقہاء کی تصریحات تقلید ضروری نہیں:

مذکورہ بالا سطور سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور ائمہ دین نے کہیں حکم نہیں دیا ہے کہ صرف ائمہ اربعہؒ کی تقلید کی جائے اور ان ہی کے مذہب کو اختیار کیا جائے بلکہ ان لوگوں نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے تاہم علماء نے اس خیال سے کہ صرف ان ائمہؒ کی تقلید کے مروج ہوجانے کے سبب سے عوام غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چاروں مذاہب اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور ائمہ اربعہؒ نے مقرر کئے ہیں اور ہر ایک مسلمان کو ان میں سے کسی ایک کا پابند رہنا ضروری ہے اس کی تصریح کردی، چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ''یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کسی کو حکم نہیں

دیا کہ وہ حنفی بنے یا مالکی بنے یا شافعی بنے یا حنبلی بنے بلکہ سب کو اسی کا مکلّف کیا کہ اگر خود علم ہو تو (اپنے علم کے موافق حدیث پر عمل کرے، اور اگر بے علم ہو تو عالموں کی تقلید کرے خواہ کوئی عالم ہو" (شرح عین العلم)

اور علامہ ابن حزم اندلسیؒ فرماتے ہیں: "وہ کون سی بات ہے جس نے امام ابوحنیفہؒ، اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کو خاص کر دیا کہ انہیں کی تقلید کی جائے اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیّب اور زہری اور نخعی اور طاؤس اور حسن بصری رحمہم اللہ کی نہ کی جائے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۶۰)

اہل کتاب کی تقلید:

اہل کتاب بھی اس قسم کی تقلید میں مبتلا تھے کہ انھوں نے احکام الٰہی سے اعراض کر کے اپنے علماء کی تقلید شروع کر دی تھی جس کی وجہ سے ان کا تعلق تورات وانجیل سے نہ رہا بلکہ علماء کے خود ساختہ فتووں سے ہو گیا جس کی مذمت قرآن کریم نے سخت الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُواْ إِلاَّ لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (التوبۃ :۳۱)

ان لوگوں (اہل کتاب) نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو اور حضرت مسیح ابن

مریم (علیہا السلام) کو اللہ کے سوا رب بنالیا حالانکہ ان کو یہی حکم تھا کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی اللہ نہیں یہ جو شرک کرتے ہیں وہ اس سے پاک ہے۔

اہل کتاب کا معاملہ یہ تھا کہ وہ صرف علماء کی باتوں کو واجب العمل سمجھ بیٹھے تھے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف رجوع کرنا ترک کر دیا تھا بلکہ صرف علماء کے حکم پر بلا سوچے سمجھے سر تسلیم خم کر دیتے ان کی اس روش کو اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت سے تعبیر کیا ہے، تقلید بھی اسی کا نام ہے کہ امام کی بات بلا چوں چرا تسلیم کر لیا جائے اور اس پر کسی قسم کی دلیل طلب نہ کی جائے امام دلیل سے یا اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام کر دیتے تو اس کو فوراً قبول کر لیا جائے ''اما المقلد فمستنذہ قول مجتھدہ'' کہ مقلد کو صرف مجتہد کا قول کافی ہوتا ہے بعض لوگ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم ایسی تقلید کے قائل نہیں امام کو حلال و حرام کا اختیار دے دیا جائے یا ان کو شارع کی حیثیت دے دی جائے۔

لیکن یہ مغالطہ محض دھوکہ ہے اس لئے کہ جب تقلید کی تعریف کے مطابق مقلد امام کے قول کی تحقیق نہیں کر سکتا پھر امام کا قول صحیح حدیث کے مخالف ہو تو مقلد حدیث کو چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ امام کے قول کو نہیں چھوڑ سکتا ہے تو پھر یہ دعویٰ کیسے باقی رہا؟ حقیقت میں مقلدین کی تقلید اور اہل کتاب کی تقلید نبی کریم ﷺ کی پیشنگوئی:

''لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرًا شبرًا وذراعًا ذراعًا حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتوھم . قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاری ؟ قال

فمن؟)

(بخاری کتاب الاعتصام والسنۃ باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم رقم الحدیث ۷۳۲۰)

"یعنی تم ضرور بالضرور گذشتہ امتوں کے نقش قدم پر چلو گے بالشت کو بالشت ، ہاتھ کو ہاتھ سے ملا کر یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے بل میں گھسیں گے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے، ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ! کیا آپ ﷺ کی مراد یہود ونصاریٰ سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو اور کس سے ہے" جب تک ہمارے اچھے دن رہے ، جب تک ہم میں اسلام رہا جب تک ہمارے دل میں نور اور آنکھوں میں سرور رہا، جب تک دل ودماغ کسی قابل رہے، تب تک تو صرف ان ہی دو چیزوں کو واجب القبول سمجھا لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم نے بھی فقہاء کے اقوال اور اماموں کی رائے وقیاس کی جستجو شروع کر دی ہم سے بھی قرآن واحادیث کی عظمت سلب کر لی گئی آج فقط قسمیں کھانے اور تبرکاً گھر میں رکھنے ،تول کر گیہوں دینے ،مقدمہ کی فتحیابی، جن وشیطان کو بھگانے ، دوکان ومکان کے افتتاح کے موقع پر خیر وبرکت حاصل کرنے حالت نزع میں پڑھنے اور مُردوں کو بخشوانے کیلئے قرآن کام آجائے اور حدیث کی کتاب ڈھونڈ لی جائے لیکن عمل کے وقت وہی رائے قیاس کے مجموعے وہی امتیوں کے بے دلیل اقوال کے دفاتر کھولے جائیں حدیث رد ہو جائے تو کان پر جوں بھی نہ رینگیں لیکن فقہ کے ایک جزو کا چھوڑنا ایمان سے دست برداری سمجھا جائے ،رسول اکرم ﷺ کیطرف بھول کر بھی نسبت نہ کی جائے مگر امام کی طرف سے نسبت ہٹانا بے دینی اور لا مذہبیت قرار دیا جائے اس دور کے

علماء کرام اور مفتیان عظام سے فتویٰ طلب کرتے وقت گرچہ کہا جائے اس مسئلہ کو صرف اور صرف کتاب وسنت کی روشنی میں بتایا جائے مگر قرآن واحادیث کے بجائے صرف اور صرف قول امام کے مطابق فتویٰ دیں گے۔ تو پھر یہ کیسے نہ کہا جائے کہ آج کی حالت اہل کتاب کی تقلید کا نمونہ ہے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"فان شئت ان ترى انموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليد السلف واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه واعرضوا عن كلام الشارع المعصوم وتمسكوا باحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة كانهم هم" (فوز الکبیر مجتبائی ص ۱۰)

اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو ان علماء سوء کو دیکھو جو دنیا کے طالب ہیں، تقلید اسلاف جن کا شیوہ ہے۔ جنھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے منہ پھیر لیا ہے ایک ہی امام کے قول کو تشدد کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں شارع معصوم محمد ﷺ کے کلام کو بے پرواہ ہو کر چھوڑے ہوئے ہیں اور موضوع احادیث اور تاویلات فاسدہ کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اچھی طرح سے دیکھ لو یہی یہودی ہیں۔

علماء اور فقہاء کی عبادت کرنے کا کیا مطلب ہے؟

اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ ...... شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی حنفی دیوبندیؒ اس آیت کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: "ان کے علماء ومشائخ اپنی طرف سے جو

کچھ مسئلہ بتا دیتے خواہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے یہاں کو چھٹکارا ہو گیا کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار ورہبان کے احکام پر چلتے تھے اوران کا حال یہ تھا کہ تھوڑا مال یا جاہی فائدہ دیکھا اور حکم شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال وحرام کی تشریع) وہ علماء ومشائخ کو دیدیا گیا تھا اسی لحاظ سے فرمایا کہ انھوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا دیا نبی کریم ﷺ نے عدیؓ بن حاتم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی اور حضرت حذیفہؓ سے بھی ایسا ہی منقول ہے حضرت شاہؒ صاحب لکھتے ہیں: ''عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو گیا کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع وغیرہ سے کہا پھر سند نہیں۔''

امام شوکانیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''یہ آیت ہر عقل وبصیرت والے انسان کو تقلید سے باز رکھتی ہے اور ائمہ کے اقوال کو کتاب وسنت کے مقابلہ میں ترجیح دینے سے روکتی ہے جولوگ نصوص ودلائل کی مخالفت کر کے علماء وائمہ کی آراء کی تعمیل کرتے ہیں ان کا طرز عمل یہود ونصاریٰ سے ملتا جلتا ہے انھوں نے اپنے علماء اور اماموں کو رب بنا لیا تھا یہ بات قطعی ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے اس کے برخلاف وہ انکی اطاعت کرتے تھے جس چیز کو وہ حلال کہتے حلال سمجھتے اور جس کو حرام کہتے حرام قرار دیتے تھے موجودہ مقلدین کا طرز عمل بھی بالکل اسی طرح کا ہے جیسے انڈا دوسرے انڈے کے مشابہ ہوتا ہے اور کھجور دوسری کھجور کے مشابہ ہوتی ہے۔ مقام افسوس

ہے کہ لوگوں نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر اپنے جیسے انسان کی عبادت شروع کر دی ان کے افکار و آراء کی پیروی و تقلید کرنے لگے خواہ کتاب وسنت سے ان کے آراء وافکار کی تائید نہ بھی ہوتی ہو حالانکہ کتاب وسنت کی نصوص بیانگ دھل انکی تردید کرتی ہے۔''

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس آیت کی تفسیر میں نہایت ہی اہم اور مفید ترین نکات بیان فرمائے ہیں جو قابل مطالعہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اس آیت میں اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو یہود ونصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی یعنی انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ کو پروردگار بنالیا ہے پروردگار بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھیں وہ رب السماوات والارض کہتے ہیں کیونکہ اس طرح تو کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے پوپ اور اس کے مقرر کئے ہوئے پادریوں کو دین کے بارے میں جو منصب دیدیا اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں وہ فی الحقیقت انھیں مثل پروردگار کے بنالیا ہے۔

چنانچہ خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کا یہی مطلب قرار دیا ہے عدی بن حاتم جو پہلے عیسائی تھے کہتے ہیں نبی کریم ﷺ نے جب سورہ براءۃ کی یہ آیت پڑھی تو ہم نے عرض کیا! ہم انھیں پوجتے تو نہیں آپ ﷺ نے کہا کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھرادیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو جس بات کو حلال کر دیتے ہیں حلال مان لیتے ہو؟ عرض کیا: ہاں! فرمایا: یہی انھیں پوجنا ہے۔

(ترمذی مع التحفہ ابواب تفسیر القرآن من سورۃ التوبۃ رقم الحدیث ۳۲۹۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دیدینا، یعنی اس بات کا حق دیدینا کہ وہ جو کچھ اپنی رائے وخواہش سے ٹھہرادے اس کی بلا چوں وچرا تقلید کرنی، قرآن کے نزدیک انھیں رب بنالینا ہے کیونکہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں۔

پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دیدیا گیا تو گویا وہ خدائی میں شریک کر لئے گئے عیسائیوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا ہے جس نے پوپ اور اس مقرر کئے گئے فادرز (FATHER'S) کو خدا سمجھا ہو اور نہ یہودیوں نے کبھی اپنے ربیوں کو ایسا سمجھا لیکن انکے عمل کا یہی حال رہا، گویا حق وباطل، حلال وحرام، عذاب وثواب اور جنت ودوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انھیں کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو حلال کردیں حلال ہے جو حرام کردیں حرام ہے جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دیدیں، جسے چاہیں محروم ومردود کردیں، جنت کی کنجی بھی انھیں کے ہاتھ میں ہے، دوزخ کا داروغہ بھی انھیں کے زیر حکم، وہ ایسے مقدس ہیں کہ ان کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی اور اللہ نے انسے ایسا بااختیار کردیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں۔

ماشئت الا ماشئت الا قدار

فاحکم فانت الواحد القهار

اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

اولاً:- خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور

اس پر عمل کریں یک قلم بے اثر و بیکار ہوگئی کیونکہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی۔

ثانیاً:- ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا، انسانوں کو حکم ہوگیا۔

ثالثاً:- دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا اپنے اغراض کیلئے کام میں لاتا۔

رابعاً:- انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہوگئیں، کیونکہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا اور اپنے بنائے ہوئے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی معنی تقلید کے ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر عقل کی نشو ونما اور ترقی کیلئے کونسی راہ باقی رہ گئی۔

خامساً:- توہم پرستی اور جہل وکوری کا دروازہ کھل گیا کیونکہ جب اعتقاد وعمل کا دارومدار چند انسانوں کی رایوں پر ٹھہرا اور دوسروں کو اس کا حق نہ رہا کہ اپنی عقل وبینش سے کام لیں تو ظاہر ہے کہ عقل وبینش کی جگہ جہل وتوہم ہی پھیلے گا اور جو خرافات کسی ٹھہرائے ہوئے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی لوگوں کیلئے دلیل وحجت کا کام دے گی۔

سادساً:- دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے اور انکی ساری باتوں نے تقدیس وپاکی کا جامہ پہن لیا کیونکہ جب انھیں پیروں کیلئے حکم وتشریع کی غیر مشروط طاقت مل گئی اور اپنے احکام واعمال میں یک قلم مسئول ہوگئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں جو کچھ بھی کرائیں کم ہے۔

......قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی تھی عیسائی دنیا تیار نہ تھی کہ اس کا جواب

دیتی، لیکن بالآخر اس سے اعراض نہ کر سکی، اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا لیکن یہ تخم ریزی برگ و بار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، صلیبی لڑائیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر (LUTHER) نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی، لوتھر اور کنیسہ میں بناء نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے، کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد، اور خدا کی کتاب اس لئے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے، یا اس لئے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتداء نجات کے مسئلہ سے ہوتی تھی، یعنی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے، یا پوپ کی سند مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف بحرف اس صدائے حق کی بازگشت تھی کہ ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

آج یہ واقعہ دنیا کی تاریخ وحقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور عملی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی جس دن اللہ کے رسول نے بشب (BISHOP) کو یہ دعوت اصلاح دی تھی

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللَّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ﴾

(آل عمران:۶۴)

اور پھر اس دن جس دن سورہ برأت کی آیت نازل ہوئی تھی۔

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل وتعصب سے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں جن کی دہشت انگیز سرگذشتیں تاریخ کو قلمبند کرنی پڑیں اور ازمنہ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں اور یقیناً یورپ کے علم عقلیت کی تاریخ چودہویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہوجاتی۔

یہ سرگذشت تو عیسائی دنیا کی ہے جسے اس دعوت حق نے مخاطب کیا تھا لیکن خود مسلمانوں کی کامیابی کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے اور انھوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب وسنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کر دیا اعتقاداً نہیں عملاً، اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آگئے جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا۔ اور سب سے بڑا افساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عملی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے انہیں علم وبصیرت کی راہ سے دور کر دیا، حتیٰ کہ اب معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی واجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے، کیونکہ اس کی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک دیا ہے اور اسکی جگہ یورپ کے دیوانی وفوجداری قوانین اختیار کرنے لگے ہیں کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی ومعاشرتی ترقیات کا ساتھ نہیں دے سکے اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت اس نقص سے پاک ہے اور اگر وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع

کرتے تو انھیں اس زمانے کیلئے بھی ویسے ہی اصلح و اوفق قوانین مل جاتے جس طرح پچھلے عہدوں کیلئے مل چکے تھے۔

مذکورہ بالا سطور سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تقلید سے منع کیا گیا تھا مگر افسوس کہ مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کی موت کے تھوڑے زمانے بعد اس روش کو اختیار کرلیا، وہی بزرگوں کی رائیں ،فقہاء کے اقوال، اماموں کی تقلید انھوں نے بھی شروع کردی ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل پر جب کچھ زمانہ گذرا اور ان کے دل سخت ہو گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے اپنی رائے اور قیاس سے مسائل نکالے اور انہیں بصورت کتاب لکھ لیا جن میں سے اکثر کتاب اللہ کے صریح خلاف تھے پھر اس مجموعے کو دین سمجھنے لگے اور ان کتابوں پر عمل درآمد کرنے لگے بلکہ اوروں سے بھی انھیں کے منوانے کے درپے ہو گئے یہاں تک کہ اکثریت اس پر ہو گئی معدودے چند اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ایسے رہ گئے جو وحی خداوندی سے چمٹے رہے تو ان تحریف کرنے والوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آؤ اپنے مذہب کی تبلیغ اب بالجبر شروع کردیں جو اسے مانے وہ ہمارا اور جو اسے نہ مانے اس سے اپنا دین منوائیں اور پھر بھی نہ مانے تو قتل کردیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

قرآن وحدیث پر عمل کرنے والوں کے ساتھ تشدد اور ان کی ایذادہی

☆ گیارہویں صدی ہجری میں برہان پور میں قاضی نصیر الدین المتوفی ۱۰۳۱ھ

ایک معروف عالم اور محدث وفقیہ گذرے ہیں جو متبع کتاب وسنت اور پابند احکام شرعیہ تھے، حدیث کو قیاس مجتہد پر ترجیح دیتے تھے اور اس کے مقابلہ میں قول امام کو ہرگز قبول نہ کرتے تھے دوسری طرف انہیں کے سسر شیخ علم اللہ بیجاپوری المتوفی ۱۰۲۴ھ متشدد حنفی تھے ایک مرتبہ شیخ علم اللہ نے کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول سے استدلال کیا تو ان کے داماد قاضی نصیر الدین نے اس کے مقابلہ میں حدیث پیش کی شیخ نہ مانے تو قاضی صاحب نے فرمایا ''ھو رجل وانا رجل'' کہ ابوحنیفہ بھی انسان تھے میں بھی انسان ہوں اصل شی جو ہمارے لئے قابل حجت ہے وہ حدیث رسول ﷺ ہے۔ اس پر شیخ علم اللہ نے غصہ میں آکر تلوار نکال لی اور اپنے داماد کو قتل کرنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑے۔ لیکن قاضی صاحب نے بھاگ کر جان بچائی (کیا اقلیم ھند میں اشاعت اسلام صوفیا کی مرھون منت ہے ص ۱۰۵)

☆ علامہ ابن حزمؒ جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے اور کسی امام کی طرف منسوب ہونا نہیں چاہتے تھے ان کے ہم عصر علماء نے بالاتفاق ان کو گمراہ ٹھہرایا اور لوگوں کو ان سے ملنے کی ممانعت کردی، اور سلاطین کو بھی ان کی طرف سے بھڑکا دیا، حتیٰ کی تمام سلاطین ممالک نے اپنے اپنے ملک سے ان کو نکال دیا۔ آخر بیچارے مجبور ہوکر کسی گاؤں کی طرف نکل گئے اور وہیں وفات پائی۔

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو ان کے معاصر فقہاء ان کو پھنسانے کے لئے ان پر تہمتیں لگاتے تھے اس وجہ سے کتنی مرتبہ بیچارے قید کئے گئے اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا لوگوں نے بہت مرتبہ ان کو جان سے مارنے کے لئے حملے کئے مگر یہ ہمیشہ بچ جاتے تھے۔

☆ امام ابوالحجاج مزیؒ (جو کہ اپنے وقت کے ایک بڑے مشہور اور مستند عالم تھے) اتنی بات پر کہ ابن تیمیہؒ کی طرف سے وہ کسی شافعی سے بحث کرنے لگے اور ابن تیمیہؒ کے مخالفین کے مقابلہ میں امام بخاریؒ کی کتاب خلق افعال العباد پڑھنے لگے، فقہاء نے سمجھا کہ اس سے ہماری تردید مقصود ہے وہ غضب میں آ گئے اور قاضی شافعی نے ان کو قید کر دیا۔

☆ حافظ الحدیث علامہ عبدالغنی مقدسیؒ کہیں صفات الٰہی میں فقہاء کے طریقے کے خلاف قرآن وحدیث کے موافق بات کرنے لگے اس پر فقہاء ان کے پیچھے پڑ گئے اور ان کا قتل مباح قرار دیا۔ بادشاہ ان کے قتل پر آمادہ ہو گیا مگر کچھ امراء نے بڑی سعی وسفارش کر کے ان کی جان چھڑائی اور آخر وہ شہر بدر کر دیئے گئے اور ایک دوسرے مقام پر جا کر بقیہ عمر روپوش رہے۔

☆ علامہ منصور بن محمد تمیمیؒ جو کہ حنفی تھے وہ حج کو گئے۔ وہاں ان کو شافعی مذہب پسند آیا، اس کی طرف منتقل ہو گئے، اس لئے لوگ ان کی ایذا رسانی سے باز نہ رہے اور ان کے ساتھ تعصب اور بدسلوکی کا طریقہ برتا۔ (اتباع قرآن وسنت ص ۱۰۸، ۱۰۹)

قارئین کرام! مذکورہ سطور سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں صرف قرآن وحدیث کی اتباع کرنے والوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں اس لئے اگر آج بھی اس دعوت کو قبول کرنے والوں کو ظلم وستم سہنا پڑ رہا ہے تو ہمیں اسلاف کے واقعات پڑھ کر صبر کرنا چاہیئے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ سلف صالحین کی سنت

رہی ہے۔

تقلید قرآن فہمی سے روکاوٹ کا سبب ہے:

گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ قبر میں منکر نکیر ہر نیک و بد انسان سے (۱) من ربک (۲) مادینک (۳) من نبیک ، تین سوال کرتے ہیں اس کے بعد ہر ایک انسان (کامیاب ہونے والے خوش نصیبوں اور ناکام ہونے والے بد نصیبوں) سے ایک اور سوال بھی فرشتے پوچھیں گے ''مایدریک'' یعنی ہمارے سوالوں کا جواب تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ مومن کہے گا ''قرأت کتاب اللّٰہ آمنت به و صدقته'' یعنی میں اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔ ناکام ہونے والے لوگوں سے فرشتے کہیں گے ''لا تلیت ولا دریت'' تو نے نہ جانا نہ پڑھا (یعنی قرآن) پھر اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے اور وہ بری طرح چیخنے چلانے لگتا ہے جس کی آواز جن وانس کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے۔ (ابوداؤد)

مومن اور کافر سے کیئے گئے اس چوتھے سوال سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) قرآن مجید ہی وہ کتاب ہے جو ہمیں منکر نکیر کے تینوں سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب مہیا کرنے کیلئے کافی ہے۔

(۲) قبر کے امتحان میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو قرآن مجید پر ایمان لائے، اسے پڑھا، سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

(۳) مرنے کے بعد کافر اور مشرک پر سب سے پہلے جو فرد جرم عائد کیجائے گی وہ یہ ہوگی کہ تم نے قرآن مجید پڑھنے اور جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

(۴) قرآن مجید نہ پڑھنے اور نہ سمجھنے کے جرم میں مجرم کے دونوں کانوں کے درمیان یعنی دماغ پر گرز مارے جائیں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دماغ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے کیلئے دیا ہے اس دماغ کو صحیح مقصد کیلئے استعمال نہ کرنے پر یہ سزا دیجائے گی۔

چاروں نکات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ہر فرد بشر (خواہ دنیا کے کسی بھی دھرم اور مذہب کا ماننے والا ہو) کیلئے قرآن سمجھنا مشکل نہیں۔ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کیلئے بڑا علم چاہئے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ اس کا کلام سمجھیں؟ اور اس راہ پر چلنا شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، حکیم الامت اور محدث کبیر جیسے لوگوں کا کام ہے ہماری کیا مجال کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں کہ ہم صرف عالم دین کی بات سمجھیں تو یہ بات دلخراش حقیقت ہے کہ مسلمان برہمن مسلمانوں کو اصل اسلام سمجھنے سے روک رہے ہیں فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيراً مِّنَ الأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللّهِ﴾ (التوبۃ:۳۴)

''اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد، لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں''۔

آج بدقسمتی سے بہت سے علماء مسلمین کا بھی شیوہ ہے۔

جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس مقدس قرآن کے متعلق واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر:١٧)

اور بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کردیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نہیں ہے؟

قرآن کریم کو آسان اس لئے بنایا گیا ہے کہ یہ کتاب ناخواندہ اوران پڑھ لوگوں پر نازل ہوئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ وَالأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ﴾ (آل عمران:٢٠)

اے پیغمبر (ﷺ) !تم اھل کتاب اوران پڑھ لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم (اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو۔

قرآن کریم کا اصل موضوع ''انسان کی ہدایت'' لہٰذا ہدایت سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات اس کتاب میں پوری تفصیل سے بیان کی گئی ہے اور یہ ذکر ٹھیٹھ عربی زبان میں ہے تاکہ عوام وخواص سب لوگ اس سے برابر فائدہ اٹھا سکیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ (الشعراء:١٩٢۔١٩٥)

یہ قرآن پروردگار کا اتارا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لیکر اترا ہے آپ کے دل

پر تا کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں اور یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔

پھر اس ٹھیٹھ عربی زبان میں کوئی الجھن یا پیچیدگی بھی باقی نہیں رہنے دی گئی فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِیْ أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجَا﴾

(الکہف/۱)

سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر یہ کتاب اتاری اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی۔

مزید برآں ہدایت کے ان جملہ امور کو کئی طرح کی مثالوں سے اور مختلف انداز سے دہرایا اور بیان فرمایا گیا ہے تا کہ کسی شخص کے ذہن میں کوئی الجھن یا شک شبہ نہ رہنے پائے اور وہ ان امور کے جملہ پہلوؤں کو آسانی سے ذہن نشیں کر سکے۔

﴿انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ (انعام:٦٥)

دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح سے بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ﴾ (البقرة۹۹)

ہم نے آپ کی طرف ایسی باتیں نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان کا انکار صرف فاسق کرتے ہیں۔

یعنی ان باتوں کا سمجھنا مشکل نہیں بلکہ ان پر چلنا نفس پر مشکل ہے اس واسطے کہ نفس کو کسی کی حکم برداری بری لگتی ہے اس لئے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں۔

کیا قرآن واحادیث صرف شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث ہی سمجھ سکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نادانوں کوراہ بتلانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے آئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الجمعہ:۲)

وہی اللہ ہے جس نے امیوں میں سے ایک رسول خود انہیں میں سے بھیجا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

یعنی یہ اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبردار اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم کیا اور احمقوں کو عقل مند کیا اور بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر چلایا۔

جو کوئی یہ آیت سنکر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا اور ان کی راہوں پر سوائے بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا، اس نے اس آیت کا انکار کیا اور اس نعمت کی قدر نہ کیا کیونکہ شیخ التفسیر والترجمہ اور محدث کبیر جو قرآن واحادیث

کے علوم پر اپنی اجارہ داری سمجھتے ہیں جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے تو تفسیر وحدیث کے علم سے بالکل کورے تھے بلکہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں کچھ عقل وشعور عطا کیا تو ان چیزوں کا علم حاصل کر کے شیخ الحدیث والتفسیر کہلائے اور اس کے بعد قرآن واحادیث کا ترجمہ وتفسیر لکھ کر ایک عبث اور بیکار کام انجام دیا۔

کیونکہ قرآن واحادیث کے ترجمہ کی علماء کرام کو ضرورت ہی نہیں ہے اور علماء کے علاوہ عوام اس کا ترجمہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اگر حقیقت یہی ہے تو اس تضیع مال اور تضیع اوقات کے متعلق شیخ التفسیر وشیخ الحدیث کو بروز قیامت جوابدہی کیلئے تیار رہنا چاہئے۔)

مریضوں کو طبیب اور حکیم کی ضرورت:

شاہ اسمٰعیلؒ تقویۃ الایمان میں تحریر فرماتے ہیں اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم اور ایک بہت بیمار آدمی ہو، پھر کوئی شخص اس بیمار آدمی سے کہے کہ فلاں حکیم اور طبیب کے پاس جاؤ اور اس کا علاج کرواور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور علاج کرانا بڑے بڑے تندرستوں کا کام ہے مجھ سے یہ کیسے ہوگا کیونکہ میں سخت بیمار ہوں تو ایسا بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کرتا ہے اس لئے کہ حکیم تو بیماروں کے علاج کیلئے ہے۔ اگر تندرستوں کا علاج کرے اور انہی کو اس کی دوا سے فائدہ ہوا اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ کیسا حکیم ہے؟

تقلید قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے روکاوٹ کا سبب ہے

تقلید نے مقلدین کو کلام الٰہی اور حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنے سے روکا اور

ان سے طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں کے ساتھ قرآن وسنت کا رد اور انکار کرایا امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں ''میں نے مقلدین فقہاء کی ایک جماعت کا مشاہدہ کیا اور میں نے ان کے بعض ان مسائل میں جو کتاب وسنت کے خلاف تھے،ان کے سامنے ان کے رد میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ تلاوت کیں مگر انھوں نے ان آیات کریمہ کو نہ مانا اور نہ ان کی طرف کچھ التفات کیا مجھ کو حیرت زدہ ہو کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ جب ہمارے سلف نے ان ظاہری آیات پر عمل نہیں کیا ہے تو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں''

امام رازی اس واقعہ پر ان الفاظ میں تبصرہ فرماتے ہیں اگر کوئی مقلدین کے بارے میں صحیح تحقیق کرے تو وہ دیکھے گا کہ یہ مرض (کتاب وسنت پر عمل نہ کرنا اور امام کے قول کو لازم پکڑنا) اکثر اہل دنیا کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔

اہل تقلید کے اس رویہ کے بارے میں اور بھی متعدد علماء کرام نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا اظہار مذکورہ سطور میں کیا گیا ہے ان سب کی تفصیل یہاں ضروری نہیں ہے۔ تاہم یہاں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے دو اقتباسات پیش کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں، ان میں انھوں نے اہل تقلید کے اس رویہ کا اعتراف بھی کیا ہے اور اس پر سخت افسوس کا اظہار بھی۔ مولانا تھانوی اپنے ایک مکتوب میں، جو انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام تحریر کیا، لکھتے ہیں:

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے

خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے (تو) ان کے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کرلیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں، یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائرہ ومنحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوئی ہوں، وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا"۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۳۱ ج ۱)

اسی مکتوب میں اس سے قبل مولانا تھانوی نے یہ لکھا ہے، یہ بھی بڑا قابل عبرت ہے، لکھتے ہیں

"تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً اور عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے، گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب وسنت کے ہوں، اس قدر بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلاۃ فساق وفجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل

وفتوی وجوب اس کا مؤید ہے''۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۳۱ ج ۱)

مولانا تھانوی ایک اور مقام پر تقلید وعدم تقلید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض مقلدین نے اپنے ائمہ کو معصوم عن الخطا ومصیب وجوباً ومفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا، کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو، پھر بھی بہت سی علل وخلل حدیث میں پیدا کر کے، یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کریں گے اور قول امام کو نہ چھوڑیں گے۔ایسی تقلید حرام اور بمصداق قولہ تعالیٰ ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّٰهِ﴾ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین کے ہے''۔

مولانا تھانوی اور امام رازی کے مذکورہ اقتباسات وتبصروں کی تائید درج ذیل سطور سے بھی بخوبی ہوتی ہے۔

مقلدین احناف کے مشہور امام ابوالحسن عبیداللہ بن الحسین الکرخی الحنفی فرماتے ہیں ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب (ائمہ احناف) کے خلاف ہو تو اسے نسخ یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کیا جائے گا تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔

(اصول کرخی اردو ص ۲۴)

مقلدین احناف کے مایۂ ناز شیخ الحدیث والتفسیر ولی کامل شیخ الہند مولانا محمود الحسن حنفی دیوبندی حدیث ''البیعان بالخیار مالم یتفرقا'' کی تشریح کرتے ہوئے اپنی املائی

تقریر میں فرماتے ہیں۔

”فالحاصل ان مسئلة الخيار من مهمات المسائل وخالف ابوحنيفه فيه الجمهور وكثير من الناس من المتقدمين والمتاخرين صنفوا رسائل فى ترديد مذهبه فى هذه المسئلة ورجح مولينا الشاه ولى الله المحدث دهلوى قدس سره فى رسائل مذهب الشافعى من جهة الاحاديث والنصوص وكذالک قال شيخنا مد ظله يترجح مذهبه وقال الحق والانصاف ان الترجيح للشافعى فى هذه المسئله يجب علينا تقليد امامنا ابى حنيفه“ (تقریر ترمذی)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ بیع بالخیار اہم ترین مسائل میں سے ہے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے جمہور علماء کرام کی مخالفت کی ہے اور اکثر متقدمین اور متاخرین علماء کرام نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی مذہب کی تردید میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں شاہ ولی اللہؒ نے بھی جمہور اور امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دی ہے حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ احادیث اور دلائل قطعیہ کے اعتبار سے امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے لیکن ہم امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اس لئے ان کی تقلید ہم پر واجب ہے۔

محدث الاحناف شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری تقلید کو حدیث پر ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولا اشكال فى ظاهر الحديث على مقتضى مذهب الشافعى

فانه محمول علی حالة القصر وقد صلی بالطائفة الثانیه نفلا وعلی قواعد مذهبنا مشکل جدا" (مرقاۃ ص۲۸۲ ج ۳)

یعنی حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے اور شافعی مذہب کی صریح مؤید ہے لیکن اس مذہب پر ہمارے مذہب کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہے لہٰذا ہم اس حدیث کو ظاہری حالت میں کبھی قبول نہیں کر سکتے۔

رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کر دیا جائے، نبی ﷺ کے دور میں ایک عورت آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتی تھی تو اس کے شوہر نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "الا اشهدوا ان دمها هدر" سن لو، گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہے (سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن سب رسول الله وسنده صحیح) یہ صحیح حدیث ہے اور اسی پر جمہور اور اہلحدیث کا عمل و فتویٰ ہے لیکن حنفی مذہب کے مطابق اس کو قتل نہیں کیا جا سکتا اگر ذمی ہے تو اس کے عہد میں بھی فرق نہیں پڑے گا اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے شیخ ابن الہمام الحنفی تقلید کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد کرتے ہوئے اس الفاظ میں فیصلہ کرتے ہیں

"نعم نفس المومن تمیل الی قول المخالف فی مسئلة السب لکن اتباعنا للمذهب الواجب" (بحرالرائق ج ۵ ص ۱۱۵)

مومن کا نفس مخالف کے قول کو قبول کرتا ہے لیکن ہم اس کو اس لئے نہیں مانتے کہ حنفی مذہب کے خلاف ہے اور ہم پر حنفی مذہب کی اتباع لازم ہے۔

مختصر یہ کہ ایسے مقلدین کی قلت نہیں جو احادیث نبوی کو صحیح جاننے اور سمجھنے کے باوجود بھی قول امام کو حرف آخر تسلیم کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو بڑی جسارت کے ساتھ سمعنا وعصینا کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں اور ان کی کیفیت اس شعر سے چنداں مختلف نہیں ہے۔

پھرے زمین پھرے آسماں ہوا پھر جائے
پھریں گے تجھ سے نہ ہم ،ہم سے گو خدا پھر جائے

یہاں پر مولانا حیات سندھی کا ایک اقتباس نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے بغور ملاحظہ فرمائیں: جو شخص کسی ایک معین شخص پر اڑ جائے آنحضرت ﷺ کے سوا اس کا قول ہی ثواب و حق سمجھے اور اسی کی تقلید واجب جانے دوسرے ائمہ کی پیروی نہ کرے ایسا شخص گمراہ اور جاہل ہے بلکہ (اس جمود کے سبب) وہ کافر ہے اس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ جس نے آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے امام و مجتہد معین کی اتباع ضروری سمجھی اور اس کو لوگوں پر واجب قرار دیا تو ایسے شخص نے اپنے امام کو بمنزلہ نبی کے ٹھہرایا اور یہ کفر ہے

(تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی ص ۱۴ بحوالہ احسن الجدال بجواب راہ اعتدال)

اصلی اور برحق امام کون ہے؟:

امام کیسا ہونا چاہئے؟ اور اس کے اندر کیا کیا خوبیاں اور اوصاف ہونا چاہئے؟ اور امام کو کون مقرر کرتا ہے؟ اور کس مقصد سے مقرر کرتا ہے؟ اس کے متعلق ہم ذیل کے سطور میں بحث کریں گے اور پھر ہم اہل عقل و دانش اور ارباب فکر ونظر سے درخواست

کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ یہ خوبیاں ہمارے خودساختہ اماموں کے اندر موجود ہیں؟ اور کیا ان کو واقعتاً امام کہا جاسکتا ہے؟ یوں تو ایک امام وہ بھی کہلاتا ہے جو پنج وقتہ نماز پڑھاتا ہے کسی علم کے ماہر کو بھی امام کہتے ہیں، چنانچہ تاریخ اسلام میں علوم دینیہ کے بے شمار بڑے بڑے امام گذرے ہیں ان کی تعداد کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے مگر جس نے تاریخ اسلام پڑھی ہیں وہ جانتا ہے کہ امت محمدیہ میں ایک وقت میں کتنے کتنے مجتہد وامام گذرے ہیں جو مختلف علوم کے امام اور ماہر تھے کوئی حدیث میں امام تھا، کوئی تفسیر میں، کوئی فقہ میں امام تھا تو کوئی فن جرح وتعدیل میں، کوئی نحو کا امام تھا تو کوئی صرف کا، کوئی تاریخ کا امام تھا تو کوئی لغت کا، غرض کہ یہ لوگ اپنے اپنے علم کے ماہر اور امام تھے پس یہ ائمہ کرام علماء عظام نے دینی تعلیمات کو اچھی طرح سے خود سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی یہ علماء اور ائمہ کرام قابل قدر، مخلص اور نیکوکار اور قابل استفادہ تھے ان کی علمی کاوشوں اور محنتوں سے ہم کو فیض حاصل کرنا چاہئے، ان شاء اللہ ایسے علماء اور ائمہ قیامت تک ہوتے رہیں گے جو دین کو سمجھتے اور سمجھاتے رہیں گے یقیناً ان کی علمی کاوشوں اور سعی ومحنت کا اجر وثواب ان کو ملے گا اور ہمیں ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کرنی چاہئے کہ رب العالمین ان علماء کرام اور ائمہ عظام کے علمی ذخیروں کو ان کے لئے باعث رفع درجات بنائے اور جو ان کی اجتہادی غلطیاں ہیں ان کو حسنات سے تبدیل فرمائے۔ (ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین آباد) لیکن اس کے برعکس ان ائمہ وعلماء کرام کو امام نبوت، امام معصوم، امام مقتدیٰ اور امام اتباع کا درجہ دیدیا جائے تو یہ سراسر غلط ہوگا کیونکہ وہ امام جس کی ہم کو اقتداء کرنی

ہے اور جس کی اطاعت رب کی اطاعت ہے جس کی ہر دینی بات ماننی فرض اور نافرمانی کفر ہے جس کا ہر فقرہ ضابطہ حیات ہے جس کا ہر قول وفعل مشعل ہدایت ہے اور جس کی اطاعت عارضی نہیں بلکہ قیامت تک کیلئے دائمی ہے جس کے متعلق قرآن ناطق ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ (نجم:۳-۴)

آپ اپنی خواہشات نفس سے نہیں بولتے ہیں آپ وہی بولتے ہیں جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے۔اسلئے اس میں غلطی کا صدور ناممکن ہے۔

اس ساری کائنات کا حاکم الہ واحد ہے یعنی اس کے بندوں پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے دوسروں کا نہیں،لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے کے پاس براہ راست (Direct) نہیں پہونچتا بلکہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک بندے کو منتخب کر لیتا ہے اور اسی کو اپنے تمام احکام سے مطلع فرماتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سے دوسروں کو مطلع کر دیتا ہے ایسے بندے کو نبی یا رسول کہتے ہیں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان نبی اور رسول ہی واسطہ ہوتا ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اور رسول کی اطاعت عین اطاعت الٰہی ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿من يطع الرسول فقد اطاع اللّٰه﴾ (النساء:)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔اسکے بے شمار بندوں میں سے نبوت اور رسالت کا زیادہ حقدار کون ہے اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتا ہے چنانچہ ارشاد ہے

﴿اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ (انعام:۱۲۴)

اللہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کے پیغام کی جگہ کیا ہے۔ یعنی ہر کس و ناکس اس کی پیغمبری کا اہل نہیں بلکہ کچھ مخصوص افراد ہیں وہی پیغمبری کے لائق اور انھیں کے اندر اس کی صلاحیت ہوتی ہے، ان افراد کا تم سے زیادہ علم اللہ کو ہے اگر تمام شخصیتیں یکساں ہوتیں تو یہاں اس کے تردید کی ضرورت نہیں ہوتی دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ﴾ (انعام۵۳)

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تا کہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے کیا یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ شکر گذاروں کو خوب جانتا ہے چنانچہ اسے فضل و کرم سے نوازتا ہے اور جو شکر گذار نہیں ہیں اسے محروم کر دیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ﴾ (القصص:۶۸)

اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، ان میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا اجازت کے بغیر کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کی جا سکتی اگر کوئی شخص بغیر اس کے حکم اور اجازت کے کسی دوسری کی اطاعت کرتا ہے گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی دوسرے شخص کو شریک بنا لیا

اور وہ خود الہ بن بیٹھا اور اللہ تعالیٰ کے حق پر قابض ہو گیا کیونکہ امام بنانا لوگوں کا کام نہیں صرف اللہ ہی جس کو چاہتا ہے امامت عطا کرتا ہے حضرت ابراہیمؑ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انی جاعلک للناس اماما﴾ "میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں" حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا وہ دعا فرماتے ﴿ومن ذریتی﴾ اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنا) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لاینال عھدی الظالمین﴾ یعنی ظالموں کو میرا عہد نہیں پہونچے گا اس آیت سے بھی یہی ثابت ہوا کہ امام بنانا انسانوں کا نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام گنہگار نہیں بلکہ معصوم ہوتا ہے اور سوائے انبیاء کے کوئی معصوم نہیں ہوتا لہٰذا نبی کے علاوہ کوئی امام بھی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ اور چند رسولوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ﴾

(انبیاء/۷۳)

اور ہم نے انھیں پیشوا بنا دیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں۔

اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا ذکر کیا ہے اور ان کے امام بنائے جانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان آیات سے بھی ثابت ہوا کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور امام الانبیاء شافع محشر حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے امامت صرف آپ ہی کیلئے زیبا قرار دیا ہے اور یہ تاج صرف آپ ﷺ ہی کے سر کی زینت ہے اس میں کوئی آپ کا ہم پلہ و ہمسر نہیں اب اس تاج کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے امام

ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کو ایک ایک پہنا دیا جائے اور ان کو امام شریعت امام معصوم امام مقتدیٰ امام مطاع اور امام اتباع قرار دیدیا جائے تو یہ سراسر غلط ہوگا اور یہ شرک فی الرسالت کے مترادف ہوگا کیونکہ یہ تمام مناصب تو صرف ایک ہی ذات کیلئے ہیں وہی امام اعظم واکبر ہیں کسی دوسرے کو اس قسم کے القاب دینا سراسر زیادتی اور توہین رسالت ہے۔

کیا صرف ائمہ اربعہ کے مذاہب میں حق منحصر ہے؟

جو لوگ صرف مذاہب اربعہ میں حق کے منحصر اور تقلید شخصی کے وجوب کے قائل ہیں وہ لوگ اس کے ثبوت میں چند دلائل بھی پیش کرتے ہیں ہم ذیل میں ''ائمہ اربعہ کے مذاہب میں حق منحصر ہے'' کا نعرہ بازی اور دعویٰ کرنے والوں کا مختصر مگر تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ اگر حقیقت میں مذاہب اربعہ حق ہیں تو پھر مقلدین ائمہ ایک دوسرے امام کی تنقیص و گستاخی کیوں کرتے ہیں اور دوسرے امام کے مقلدین کو قتل کیوں کیا جاتا ہے اور دوسرے امام کے مقلدین کے بارے میں یہ دعویٰ کیوں کیا جاتا ہے:

''من ليس بحنبلي ليس مسلما'' (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۱۸۷)

یعنی جو حنبلی نہیں وہ مسلمان نہیں ہے۔

(۱) کسی امر کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ منجانب اللہ ہو، اگر وہ منجانب اللہ نہیں تو سمجھ لو وہ حق نہیں ہے مذاہب اربعہ میں حق ہونے کی دلیل نہ کتاب اللہ اور نہ ہی

احادیث رسول ﷺ سے پیش کی جا سکتی ہے اگر ہے تو علماء کرام بتائیں کہ قرآن کی کس سورہ میں موجود ہے یا اس حدیث کا مفصل حوالہ بتائیں جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہو کہ میرے بعد تم حق ائمہ اربعہ میں تلاش کرنا۔

(۲) حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کریم حق ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء:۸۲) اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے۔

(۳) ائمہ اربعہ کے مذاہب میں اختلافات اتنی وافر اور کثیر تعداد میں موجود ہے کہ تقابلی فقہ کی کتابوں میں اکثر و بیشتر مسائل میں اختلف العلماء هذه المسئلة (اس مسئلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے) کی عبارت نظر آئے گی جب کہ تلاش بسیار کے بعد شاید ہی کوئی مسئلہ ایسا ہو جس میں اتفق العلماء (اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے) کی عبارت نظر آجائے۔

(۴) ائمہ اربعہ کے مقلدین میں سے امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین نے اپنی امام کی مدح سرائی ''ان آدم افتخر بی و انا افتخر برجل من امتی اسمه نعمان و کنیته ابو حنیفة وهو سراج امتی'' اور ''ان سائر الانبیاء یفتخرون بی و انا افتخر بابی حنیفة من احبه فقد احبنی و من ابغضه فقد ابغضنی''

(کشف الاسرار ترجمہ وشرح درمختار ج ۱ ص ۳۱)

یعنی نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے مجھ پر فخر کا اظہار کیا اور میں اپنی امت کے ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے وہ میری امت کا چراغ ہے دوسری روایت ہے کہ تمام انبیاء کرام میری ذات پر فخر کرتے ہیں اور میں ابوحنیفہ پر فخر کرتا ہوں جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔

اور امام شافعیؒ کی تنقیص میں ''**یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس یکون اضر علیٰ امتی من ابلیس**'' (نزھۃ الخواطر حاشیہ نخبۃ الفکرص ۷۲)

میری امت میں محمد بن ادریس ایک شخص ہوگا جو میری امت کیلئے شیطان سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا۔

احادیث گھڑیں اور حنفی اصول فقہ میں لکھ دیا گیا ''**الجهل فی نحوه کجهل الشافعی فی جواز القضاء بشاهد ویمین**'' (نورالانوارص ۳۰)

ملا جیون فرماتے ہیں امام شافعی کے متعلق ہمارے اکابرین کا یہی نظریہ تھا۔

مذکورہ بالا عبارت پر غور کیا جائے تو مقلدین کا تعصب دوپہر کے وقت چمکتے ہوئے سورج سے بھی زیادہ واضح اور روشن ہو جائے گا اور اس تعصب کی روشنی میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا جو شخص جاہل ہو اور امت کیلئے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو اس کے مقلدین بھی حق پر ہو سکتے ہیں؟

صرف امام ابوحنیفہؒ کے علو مرتبت اور امام شافعی کی مذمت اور تنقیص پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ۵۷۸ھ میں احناف نے شوافع سے اپنے مناظروں کی شکست کا بدلہ قتل

سے لیا چنانچہ عیسیٰ بن مالک بادشاہ حنفی المذہب تھا اور تعصب میں بے مثال تھا مسعودی کی کتاب اس کو کل حفظ تھی لوگوں کو حنفی مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا اور کہتا عمل صرف ابوحنیفہؒ کے فتویٰ پر ہے صاحبین کے قول کو بھی ترک کردو فقہاء احناف نے صرف ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ایک کتاب مرتب کردیا جس کو اس نے یاد کرلیا تھا اور تعصب کی بنا پر شافعی المذہب لوگوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کردیا اور جتنے شوافع اس کے ہاتھ لگے سب کے سب قتل کردیے گئے۔ (ظفر المبین ص۳۹)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر احناف کے نزدیک شافعی المذہب حق پر تھے تو امام ابوحنیفہؒ کی منقبت اور امام شافعیؒ کی مذمت میں احادیث گھڑتے ہوئے مسموم لہجہ کیوں اختیار کیا گیا؟ بے گناہ شوافع کا قتل کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب ہم موجودہ احناف سے طلب کرنے میں حق بجانب ہیں اور یہ جواب ان پر فرض وقرض ہے۔ کیوں کہ مذاہب اربعہ کے حق ہونے کا شور انھیں حضرات سے سنا جاتا ہے کیا ان کے نزدیک حق یہی ہے کہ کسی بزرگ امام کو ابلیس سے زیادہ نقصان دہ اور جاہل جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں تو شکایت ہوگی

بحمد للہ! اہل حدیث تمام ائمہ کرام کو بشمول امام شافعیؒ ان تمام الزامات سے بری سمجھتے ہیں اور ان امامان دین کی شان میں کوئی نازیبا اور غلط کلمہ کہنے کی ناپاک جسارت نہیں کرسکتے۔

تقلید کی نحوست سے بیت اللہ میں چار مصلوں کا قیام

جب تقلیدی مذاہب کو روز بروز ترقی ہوتی گئی اور قرآن واحادیث کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا رواج ختم ہو گیا اور اتباع سنت کا جذبہ لوگوں میں مفقود ہوتا گیا تو احناف وشوافع کا اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے تھے یہاں تک کہ ۶۶۵ھ میں مصر اور قاہرہ میں چاروں مذاہب کے الگ الگ قاضی مقرر کیے گئے اس کے بعد سلطان فرح بن برقوق جو کہ اشر ملوک چراکسہ کہا جاتا ہے نویں صدی ہجری کے شروع میں بیت الحرام کے اندر چاروں مذاہب کے الگ الگ مصلی بھی قائم کر دیے اور اچھی طرح سے دین محمدی کو چار حصوں اور چار جماعتوں میں تقسیم کر دیا اور حالت یہ ہو گئی کہ ایک امام جماعت کرا رہا ہے تو تین مصلوں پر نمازی بیٹھے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔

آہ! ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرۃ:۴۳) ''رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور قرآن کے حکم ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ:۱۲۵) ''تم مقام ابراہیم کو جائے نماز مقرر کر لو'' کے اتحاد کو تقلیدی مذاہب نے پارہ پارہ کر دیا اللہ تعالیٰ سلطان بن سعود کی قبر نور سے بھر دے اور انھیں اجر عظیم سے نوازے کہ انھوں نے ۱۳۴۳ھ میں ان چاروں مصلوں کو ختم کر کے وہی ابراہیمی مصلی قائم کر دیا جس کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ اس طرح تفریق اور تعصب کی یہ لعنت بیت اللہ سے دور کی گئی۔

تقلید کے بھیانک نتائج:

مذہب تقلید سے کیا کیا عظیم ترین نقصانات اور بھیانک نتائج پیدا ہوئے اسکا ایک اجمالی جائزہ درج ذیل ہے

(۱) خیر القرون کے رنگ کو بدل کر دوسرا رنگ پیدا کیا۔

(۲) ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران ۱۰۳)

''اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو'' کا کھلم کھلا انکار کرایا اور مسلمانوں میں تفریق ڈال کر اتحاد امت کو چار جماعتوں میں تقسیم کرایا۔

(۳) لوگوں سے بے اصل اور نئے نئے دعوے کرائے۔

(۴) اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں، کا معاملہ کرایا۔

(۵) ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ کے خلاف ورزی کرا کر خیر بقاع الارض مسجد حرام میں چار مصلی قائم کرادئے اور جماعت صلاۃ میں تفریق کرادی۔

(۶) لوگوں سے آزادی اور انصاف پسندی کی بحث کو جس کا نام تحقیق ومناظرہ ہے چھڑا کر خاص خاص رایوں اور مذہب کی طرفداری وحمیت پر مجبور کیا جیسا کہ برابر مقلدین علماء کرتے ہیں۔

(۷) لوگوں سے ان کے خاص خاص اماموں کے متعلق مبالغہ آمیز منقبتیں اور دوسرے اماموں کی مذمتیں کرائیں۔

(۸) اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ان کی تائید اور حیلے اور بہانے سے جھوٹی

جھوٹی حدیثیں بنوائیں۔

(۹) علماء حقانی اور عاملین بالحدیث کے خلاف عداوت پیدا کردی اور ان پر ظلم کرائے۔

(۱۰) حدیث رسول ﷺ کے ساتھ گستاخی اور اس کے رد کی ایک صورت پیدا کردی۔

(۱۱) علماء حقانی کو مجبور کیا کہ وہ صورت تقلید میں ظاہر ہوں۔

لہٰذا حق کے طالبو! دل سے اپنے رب کی مرضی چاہنے والو، اس کے پسندیدہ تر راستے کی تلاش کرنے والو! ذرا آپ بھی تو سوچیں اور تھوڑی دیر کے لئے خالی ذہن ہوکر دیکھیں اور کچھ تو منصفانہ نظر سے علیحدہ بیٹھ کر غور کریں کیا اہلحدیث منہج میں کوئی ایسی بات ہے جو اسلام سے ان کو خارج کرتی ہو، یا وہ ان اکابر کے قول سے جس کو تم تسلیم کرتے ہو ثابت نہ ہو، جتنی باتیں جن میں اہلحدیث کو نزاع ہے آپ نے پڑھی ان میں سے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے کسی دیدہ ور کو اقرار سے چارہ ہو۔

لمحۂ فکریہ:۔

پس اگر آپ کو بھی اقرار ہے، تو چشم ما روشن دل ما شاد، پھر کیا نزاع ہے، اور اس صورت میں جبکہ آپ تحقیق کے تابع ہیں نہ تقلید کے، اگر بعض جزئیہ میں اختلاف بھی رہے تاہم وہ اس بات کو نہیں چاہتے کہ اس بیچارے غرباء اسلام کے ساتھ اس شقاق وخلاف کا برتاؤ برتا جائے جیسا کہ عموماً ان کے ساتھ برتا جاتا ہے، اسلئے کہ مسائل کا اختلاف سلف

میں بھی تھا اور خود حنفیہ میں بھی آپس میں بکثرت مسائل میں اختلاف ہے، پھر جب اصل مذہب تسلیم ہے تو مسائل جزئیہ کے اختلاف پر اس قدر عناد کیوں ہے؟ اور اگر تسلیم نہیں تو ہم نہیں جانتے کہ ایسے صریح حق سے جو عین تعلیم اسلام ہے اختلاف کی کیا وجہ ہے اگر آپ انصاف کریں تو ضرور پائیں گے کہ مذہب اہلحدیث عین منشاء اسلام ہے جس سے کسی مسلمان کو اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں لیکن ذرا غور و تامل کی ضرورت ہے اور سمجھنے کی بات۔

بھائیو! انصاف سے کام لو اور اللہ وحدہ لاشریک لہ سے کہ جس کے پاس آپ کو حساب دینے جانا ہے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ سچی بات اختیار کرنے سے آپ کو لوگوں سے شرم یا کسی کے برا کہنے کا خیال یا کسی کا ڈر یا اپنے آباء واجداد کے رسوم ورواج کی پابندی یا کسی دنیاوی نفع یا نقصان کا خیال روکاوٹ بنے، اس قسم کی باتیں اکثر ان لوگوں جن کو آپ بھی ناحق جانتے ہیں حق قبول کرنے سے روکتی ہیں اگر آپ بھی ایسا ہی کریں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

خاتمہ اور دعاء:

ان چند صفحات کو زیب قرطاس کرنے کا مقصد امت مسلمہ (خواہ وہ کسی بھی مسلک اور امام کی تقلید کا پابند ہو) کے سامنے حقائق کو پیش کرنا ہے تا کہ ہر مسلمان غور فکر کرے کہ اصل صراط مستقیم کیا ہے اور ایک انسان کو مسلمان بننے کیلئے بنیادی شرائط کیا ہیں اور وہ کن تعلیمات کو اپنا کر دنیا و آخرت میں سرخ روئی اور فلاح ابدی سے سرفراز ہو سکتا ہے

اور کس کی پیروی اور اطاعت کر کے جنت کا مستحق اور قبر و جہنم کے عذاب سے نجات پا سکتا ہے کیونکہ ایک مومن کیلئے یہی اصل کامیابی کی ضمانت ہے ارشاد الٰہی ہے:

﴿ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ (آل عمران ۱۸۵)

''پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بے شک وہ کامیاب ہو گیا''

یارب ہمیں عطا کر بصارت بھی بصیرت بھی، تا کہ ہم اپنے بھلے برے کی تمیز کر سکیں اور نجات کی راہ کیا ہے اسے پہچان سکیں اور تباہی و بربادی کی راہ کیا ہے اس سے بچ سکیں اے اللہ تو ہمیں اپنی پسند کا ایمان عطا فرما اپنی مرضی کا مسلمان بنا آسمان سے اترے ہوئے دین اسلام پر اس طرح عمل کرنے کی توفیق دے جس طرح تیرے سچے رسول نے عمل کیا اسوۂ اطہر ہی ہمارے نزدیک سارے جہاں سے زیادہ محبوب بنا، رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں جام کوثر پلا اور شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت نصیب فرما حق کہنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور اس کتابچہ کو امت مسلمہ کیلئے باعث ہدایت بنا کر میرے لئے اور میرے والدین واساتذہ کے ساتھ نیز کتاب کی ہر ممکن طباعت ونشر واشاعت میں دامے درمے قدمے سخنے تعاون کرنے والوں کیلئے صدقہ جاریہ بنا۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ (البقرۃ:۱۲۷،۱۲۸)

☆☆☆

منہج سلف صالحین کے فروغ کے لئے کوشاں

ہماری بعض اہم خوبصورت اور معیاری مطبوعات